اہلِ بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مصداق اور فضائل و مناقب

اس کتاب میں آیتِ تطہیر کی مفصل تفسیر، اہلِ بیت کا مصداق، ازواجِ مطہرات، اولادِ طیبات اور اصہارِ کرام کی سیرت و فضائل، افضل خاتون کی تحقیقی بحث اور ضمناً بعض ضروری فوائد و نکات، مستند مصادر اور اکابر دیوبند کی تحقیقات و افادات کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

حضرت مفتی زین الاسلام صاحب قاسمی الہ آبادی
مفتی دار العلوم دیوبند

شیخ الہند اکیڈمی دار العلوم دیوبند

إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا
(الأحزاب، آیت:۳۳)

اے نبی کے گھر والو! بس اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور کردے اور تم کو خوب پاک اور ستھرا کردے۔

اہلِ بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مصداق اور فضائل ومناقب

اس کتاب میں آیتِ تطہیر کی مفصل تفسیر، اہل بیت کا مصداق، ازواجِ مطہرات، اولادِ طیبات اور اصہارِ کرام کی سیرت وفضائل، افضل خاتون کی تحقیقی بحث اور ضمناً بعض ضروری فوائد ونکات؛ مستند مصادر اور اکابرِ دیوبند کی تحقیقات وافادات کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

از:

حضرت مفتی زین الاسلام صاحب قاسمی الٰہ آبادی
مفتی دار العلوم دیوبند

ناشر:
شیخ الہند اکیڈمی دار العلوم دیوبند

زیر سرپرستی حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم
(مہتمم دارالعلوم دیوبند)

زیر انتظام حضرت مولانا بدرالدین اجمل صاحب قاسمی دامت برکاتہم
(رکنِ مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند)

سلسلۂ مطبوعات شیخ الہند اکیڈمی (۷۳)

نام کتاب: اہلِ بیت النبی ﷺ مصداق اور فضائل ومناقب

تصنیف: مفتی زین الاسلام قاسمی الٰہ آبادی (مفتی دارالعلوم دیوبند)

صفحات: ۱۹۲

سنِ اشاعت: ربیع الثانی ۱۴۴۳ھ مطابق نومبر ۲۰۲۱ء

کمپیوٹر تصحیح وسیٹنگ: انیس الرحمٰن قاسمی (شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند)

ملنے کا پتہ: مکتبہ دارالعلوم دیوبند (ضلع سہارنپور، یوپی، پن کوڈ:247554)

ناشر:

شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند

(ضلع سہارنپور، یوپی، پن کوڈ:247554)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیرا

اہلِ بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مصداق اور فضائل ومناقب

فہرست عناوین

نمبر شمار	عناوین	صفحہ نمبر
۱	عرضِ ناشر: از حضرت مولانا بدر الدین اجمل صاحب القاسمی دامت برکاتہم	۸
۲	تقریب اشاعت: از حضرت مولانا مفتی ابو القاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم .	۱۱
۳	تقریب کتاب: از مؤلف	۱۴
۴	تقریظ: حضرت مولانا مفتی ابو القاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم	۲۱
۵	تقریظ: حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم	۲۳
۶	تقریظ: حضرت مولانا عبد العلیم فاروقی صاحب دامت برکاتہم	۲۵
۷	**قسم اول: اہل بیت اور آیت تطہیر**	۲۷
۸	**فصلِ اول: آیت تطہیر**........................	۲۸
۹	ترجمہ و مطلب	۲۸
۱۰	شانِ نزول........................	۲۸
۱۱	سیاق وسباق	۲۹
۱۲	**فصل دوم: آیتِ تطہیر میں وارد اہل البیت کا مصداق**	۳۳
۱۳	اہل البیت کا لغوی مفہوم........................	۳۳

۱۴	اہل البیت کا عرفی مفہوم	۳۵
۱۵	اہل البیت کا قرآنی مفہوم	۳۶
۱۶	اہل البیت کا حدیثی مفہوم	۳۹
۱۷	اہل بیت اور شیعہ	۵۲
۱۸	فصل سوم: تطہیر کا مفہوم	۵۵
۱۹	تطہیر اور عصمت میں فرق	۵۸
۲۰	تطہیر کی دو قسمیں	۶۰
۲۱	معصوم کون ہوسکتا ہے؟	۶۳
۲۲	کیا اولیاء اور ائمہ بھی معصوم ہوتے ہیں؟	۶۵
۲۳	عصمتِ ائمہ اور مذہب شیعہ	۷۰
۲۴	قسم دوم: اہل بیت النبی ﷺ اور ان کے فضائل ومناقب	۷۶
۲۵	تمہید: لفظِ ''اَہل'' اور ''آل'' کی تحقیق ومصداق	۷۷
۲۶	چند وضاحتیں	۸۱
۲۷	فصل اول: آل النبی ﷺ: عمومی فضائل ومناقب	۸۳
۲۸	فصل دوم: اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن (فضائل عامہ)	۸۵
۲۹	ازواج مطہرات کی تعداد	۸۷
۳۰	ترتیبِ نکاح	۸۷
۳۱	تعددِ اَزواج کی حکمتیں	۸۹
۳۲	اَزواجِ مطہرات: سیرت اور فضائل ومناقب	۹۴

۳۳	ام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا	۹۴
۳۴	ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا	۹۸
۳۵	ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہا وعن ابیہا	۱۰۰
۳۶	ام المؤمنین حضرت حفصہ بنت فاروق اعظم رضی اللہ عنہا وعن ابیہا	۱۰۴
۳۷	ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ ملقب بہ ام المساکین رضی اللہ عنہا	۱۰۶
۳۸	ام المؤمنین حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا	۱۰۷
۳۹	ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا	۱۱۱
۴۰	ام المؤمنین حضرت جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہا	۱۱۸
۴۱	ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا	۱۱۹
۴۲	ام المؤمنین حضرت صفیہ بنت حیی ابن اخطب رضی اللہ عنہا	۱۲۲
۴۳	ام المؤمنین حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا	۱۲۵
۴۴	اُم ولد حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا	۱۲۷
۴۵	**فصل سوم: اولاد طیبات: سیرت اور فضائل ومناقب**	۱۳۰
۴۶	صاحبزادگان	۱۳۱
۴۷	حضرت قاسم رضی اللہ عنہ	۱۳۱
۴۸	حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ	۱۳۱
۴۹	حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ	۱۳۱
۵۰	صاحبزادیاں	۱۳۴
۵۱	حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا (واولاد سیدہ زینب: علی، امامہ)	۱۳۴

۵۲	حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (واولادِ رقیہ: عبداللہ)	۱۳۸
۵۳	حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۱۴۰
۵۴	حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۱۴۱
۵۵	اولادِ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا	۱۴۳
۵۶	حضرت حسن بن علی ابو محمد القرشی الہاشمی الشہید سبط رسول ﷺ وریحانتہ ...	۱۴۳
۵۷	حُسین بن علی ابو عبداللہ القرشی الہاشمی الشہید مظلوماً، سبط رسول اللہ	۱۴۵
//	ﷺ وریحانتہ	//
۵۸	حضرت محسن بن علی بن ابی طالبؓ	۱۴۶
۵۹	حضرت ام کلثوم بنت علی بن ابی طالبؓ	۱۴۶
۶۰	حضرت زینب بنت علی بن ابی طالبؓ	۱۴۷
۶۱	**فصل چہارم: اصہار کرام: سیرت اور فضائل ومناقب**	۱۵۰
۶۲	حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ ابن الربیع القرشی العبشمی	۱۵۰
۶۳	خلیفۂ راشد (ثالث) امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ	۱۵۳
۶۴	خلیفہ راشد (رابع) امیر المؤمنین حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ	۱۶۳
۶۵	**خاتمہ: سب سے افضل خاتون کون؟**	۱۷۴
۶۶	مراجع ومصادر	۱۸۸

○❖○

عرضِ ناشر

حضرت مولانا بدرالدین اجمل صاحب القاسمی دامت برکاتہم

ڈائریکٹر شیخ الہند اکیڈمی ورکن مجلسِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

نحمدهٗ ونصلي علی رسوله الكريم، أمّا بعد!

خالق کائنات حق جل مجدہٗ کے بے پایاں انعامات کے بعد جس ذات اقدس کے امت پر بے شمار احسانات ہیں، وہ محسن کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات والا صفات ہے، آپ ﷺ کے وجود مسعود ہی کی بہ دولت امت کو معرفتِ الٰہی اور راہِ ہدایت سے آشنائی وآگاہی ہوئی؛ چنانچہ مؤمن اپنے مؤمن ہونے میں کلی طور پر آپ ﷺ کے وجود ومعرفت کا محتاج ہے، جو نبی رحمت ﷺ سے واقف نہ ہو؛ وہ اپنے ایمان واسلام سے بھی بے بہرہ ہے، ارشاد ربانی ہے "اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ" (الاحزاب، آیت:٦) یعنی: نبی اکرم ﷺ کا تعلق اور اُن کا حق مؤمنین پر ان کے نفوس سے بھی مقدم واولیٰ ہے، اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود ارشاد فرمایا: "لايؤمنُ أحدُكم حتىٰ أكونَ أحبَّ اليه مِن وّالدِه وولدِه والنّاسِ أجْمعِينَ" (مشکوٰۃ شریف، کتاب الایمان) یعنی تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک مجھ کو اپنے باپ، بیٹے اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ رکھے۔

آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ ﷺ کا نسب، آپ ﷺ کا خاندان اور آپ ﷺ کا گھرانہ سب سے افضل اور امت کے لیے قابل احترام وتعظیم ہے، اور جس طرح رسول اللہ ﷺ کا حق امت پر مقدم ہے اسی طرح

آپ کے اہل بیت کا بھی حق ہے؛ بالخصوص ازواج مطہرات کہ جن کی دینی وعلمی خدمات ناقابل فراموش ہیں اور ان کا تقدس وتفوق منصوص ومسلّم ہے، ارشاد باری ہے: "وازواجہٗ امھاتھم" (الاحزاب، آیت: ٦) یعنی: نبی ﷺ کی ازواج مطہرات امت کی مائیں ہیں، یعنی ان کا تقدس واحترام مسلمانوں پر اسی طرح لازم وضروری ہے، جس طرح حقیقی ماؤں کا ادب واحترام ہوتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو براہِ راست مخاطب فرماتے ہوئے ان کی کچھ صفات ذکر فرمائیں اور اس کے بعد ارشاد فرمایا: " إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُم تَطْهِيْراً" [الأحزاب: ٣٣] یعنی: اے اہل بیت النبیؐ! اللہ تعالیٰ تو یہ ہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر طرح کی گندگی کو دور کرکے تم کو اچھی طرح پاکیزہ اور صاف وستھرا کردے۔

الغرض! ان آیاتِ مبارکہ سے ازواج مطہرات کا اہل بیت میں سے ہونا اور ان کا شرف وتقدس روزِ روشن کی طرح عیاں ہے؛ پھر جہاں ایک طرف آیاتِ قرآنیہ سے ازواج مطہرات کا اہل بیت النبیؐ میں شامل ہونا ثابت ہوتا ہے وہیں دوسری طرف بہت سی احادیث صحیحہ سے، حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کا اہل بیت سے ہونا بھی واضح ہے۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ اہل تشیع اور روافض کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ مسلمانوں کے متفقہ عقائد ومسائل میں افتراق پیدا کرنے اور متفق علیہ امور میں شاخیں نکال کرامت کے شیرازے کو منتشر کرنے میں کوئی دقیقہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے؛ چنانچہ انہوں نے اس مسئلہ میں بھی اپنا رنگ دکھایا اور ازواج مطہرات کو۔۔ جو نص قرآنی سے اہل بیت کا اوّلین مصداق تھیں۔۔ اہل بیت سے خارج کردیا، اکابر علمائے کرام نے اس فتنے کے سدّ باب کے لیے مختلف انداز پر خدمات انجام دیں اور اس سلسلے میں کتابیں تالیف فرمائیں۔

چنانچہ امام ابن تیمیہ نے "فضْلُ أهلِ البيتِ وحُقوقِهم" تالیف فرمائی، اسی طرح

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے ''فضائل صحابہ واہل بیت'' اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے ''عظمتِ صحابہ واہل بیت'' تالیف فرمائیں، دورِ حاضر میں بھی حضرات علمائے کرام اس موضوع پر مختلف نوعیتوں سے قلمی خدمات انجام دے رہے ہیں، ہم دست کتاب ''اہل بیت النبی ﷺ، مصداق اور فضائل ومناقب'' اسی سلسلے کی سنہری کڑی ہے، جس کو حضرت مفتی زین الاسلام صاحب قاسمی الٰہ آبادی، مفتی دارالعلوم دیوبند نے قرآن وحدیث اور جمہور ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کے مسلک کی روشنی میں مدلل ومبرہن انداز پر تالیف فرمایا ہے۔

گرامی قدر حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب مدظلہٗ، صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب مدظلہٗ، شیخ الحدیث ومہتمم دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی صاحب مدظلہٗ، رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کی تصدیقی وتائیدی تحریرات نے کتابِ ہٰذا کی معتبریت میں مزید اضافہ فرمادیا ہے، فجزاھم اللّٰہ احسن الجزاء۔

اب یہ کتاب دارالعلوم دیوبند کے تحقیقی وتالیفی شعبے ''شیخ الہند اکیڈمی'' سے شائع کی جارہی ہے، اس موقع پر جملہ اراکینِ مجلس شوریٰ، بالخصوص حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم کا شکریہ ادا کرنا بھی لازمی ہے جن کے مخلصانہ مشورے اور دعائیں برابر شاملِ حال رہتی ہیں، اور حضرت مفتی زین الاسلام صاحب، جنھوں نے انتہائی جانفشانی سے کتابِ ہٰذا کو تالیف فرمایا، اس کے علاوہ شیخ الہند اکیڈمی اور تحقیق وتالیف کمیٹی کے ارکان وکارکنان جن کا کتاب ہٰذا کی طباعت واشاعت میں کسی بھی طرح کا تعاون رہا ہو، اللہ تعالیٰ تمام حضرات کی مساعی کو قبول فرماکر اپنی شایانِ شان اجر عطا فرمائے اور دارالعلوم دیوبند کو تمام شرور وفتن سے محفوظ ومامون رکھے۔ آمین

(حضرت مولانا) بدالدین اجمل القاسمی (مدظلہ العالی)

خادم شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند

۲۳؍ربیع الثانی ۱۴۴۳ھ=۲۹؍نومبر ۲۰۲۱ء

تقریب اشاعت

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم

مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

علومِ دینیہ کی تعلیم واشاعت علمائے کرام کی اہم ذمہ داری ہے؛ علماء اپنی اس ذمہ داری کی ادائیگی میں ہمیشہ سرگرم رہے ہیں، دارالعلوم دیوبند کے قیام کے مقاصد میں تعلیم و تربیت اور درس وتدریس کے ساتھ ساتھ زبان وقلم کے ذریعہ علومِ دینیہ اور اسلامی تعلیمات کی اشاعت کو بھی اہمیت حاصل رہی ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ دارالعلوم کے فضلاء نے دینی و اسلامی موضوعات پر حالات کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر، سیرت وعقائد، تاریخ وتذکرہ اور تصوف وسلوک وغیرہ ہر عنوان پر وقیع اور بصیرت افروز تصانیف تیار کی ہیں، چناں چہ دارالعلوم دیوبند میں معیاری علمی لٹریچر کی نشر واشاعت اور اکابر کے علوم وافکار کی تحقیق وترویج کے مقصد سے ''شیخ الہند اکیڈمی'' کے نام سے ایک شعبہ قائم کیا گیا جس میں اب تک ساٹھ سے زائد معیاری علمی وتحقیقی کتابیں شائع کی جا چکی ہیں۔

سال گذشتہ ہمارے ملک ہندوستان بلکہ دنیا بھر میں کورونا وائرس کی وجہ سے لاک

ڈاؤن ہوا، تو تعلیمی نظام کے تعطل کی وجہ سے فیصلہ لیا گیا کہ دار العلوم کے اساتذہ سے حسب ذوق و صلاحیت مختلف علمی کام لیے جائیں، اسی مقصد سے چند اساتذہ پر مشتمل ''تحقیق و تالیف و ترجمہ کمیٹی'' تشکیل دی گئی۔ کمیٹی نے غور و خوض اور صلاح و مشورہ کے بعد مختلف قدیم کتابوں کی نئے انداز پر ترتیب، تسہیل و تحقیق اور حسب ضرورت نئے عناوین پر لٹریچر کی تیاری کا نظام بنایا، اس کے بعد اساتذۂ کرام نے حسبِ ذوق کاموں کا انتخاب کیا چنانچہ بعض اساتذہ نے اکابر کی قدیم کتابوں کی تحقیق و تسہیل کا کام کیا اور بعض نے حالاتِ حاضرہ کے تقاضوں سے ہم آہنگ اور معاصر ذہن کے شکوک و شبہات کا ازالہ کرنے کے مقصد سے متعدد جدید عناوین پر لٹریچر تیار کرنے کا بیڑا اُٹھایا، تقریباً چالیس نئے عناوین پر کام ہوا جن میں ضروری اور حساس عنوانات بھی شامل ہیں، ساتھ ہی اکابر علمائے دیو بند کی تقریباً بیس کتابوں کو تسہیل و تحقیق سے آراستہ کیا گیا۔

زیر نظر کتاب ''**اہل بیت النبی ﷺ مصداق اور فضائل و مناقب**'' مؤلفہ حضرت مفتی زین الاسلام صاحب مفتی دار العلوم دیو بند، اِسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، احقر (ابو القاسم نعمانی) نے کتابِ مذکور پر نظرِ ثانی کر لی ہے، کتاب مفید اور قابل مطالعہ ہے، اب ضروری کارروائی اور نظرِ ثانی کے مراحل سے گذرنے کے بعد اس کو ''**شیخ الہند اکیڈمی**'' سے شائع کیا جارہا ہے۔

اس موقع سے حضرت مولانا قاری سیّد محمد عثمان صاحب منصور پوری رحمہ اللہ سابق معاون مہتمم دار العلوم دیو بند کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے، موصوف تحقیق و تالیف کمیٹی کے نگراں تھے؛ مگر افسوس کہ اِس سلسلے کی کوئی بھی کاوش منظرِ عام پر آنے سے قبل ہی جوارِ رحمت میں چلے گئے اللہ تعالیٰ مغفرت فرما کر درجات بلند فرمائے۔ آمین

اس وقفے میں تحقیق وتالیف کمیٹی کے تحت اساتذہ کرام نے متعدد علمی وتحقیقی کام کیے ہیں جو تکمیل کے بعد کتابت ونظرِ ثانی کے مراحل سے گزر کر منظر عام پر آئیں گے۔

اخیر میں ''تحقیق وتالیف کمیٹی'' کے اراکین حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری، حضرت مولانا محمد ساجد صاحب ہردوئی، حضرت مولانا محمد عارف جمیل صاحب مبارکپوری اور کمیٹی کے کنوینر جناب مولانا عمران اللہ صاحب اساتذہ دارالعلوم دیوبند کا ذکر بھی ضروری ہے کہ ان کی دلچسپی اور محنت سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ جزاهم اللّٰه خير الجزاء!

اللہ تعالیٰ ان کوششوں کو قبول فرمائے اور امت مسلمہ کے لیے اِس کتاب کو مفید بنائے۔ آمین

وآخر دَعوانا أن الحمد لله رب العالمين!

ابوالقاسم نعمانی غفرلہٗ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
۲۲/ذیقعدہ ۱۴۴۲ھ = ۴/جولائی ۲۰۲۱ء

○❖○

تقریبِ کتاب

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، أما بعد:

دینی مدارس میں ۴۱-۱۴۴۲ھ کا تعلیمی سلسلہ موقوف تھا۔ ''لاک ڈاؤن'' اور حکومتی پابندیوں کی بنا پر دارالعلوم دیو بند میں بھی تعلیمی سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔

اِس درمیان اکابر دارالعلوم دیو بند نے دو اَہم اور مفید کام اساتذہ کے ذریعہ انجام دیئے جانے کا فیصلہ فرمایا:

[۱] ''اصلاحِ معاشرہ'' کے سلسلہ میں گاؤں گاؤں، شہر شہر اِصلاحی بیانات کا سلسلہ قائم کیا گیا، جو نہایت کامیاب اور مؤثر ثابت ہوا۔

[۲] مختلف موضوعات پر تصنیف وتالیف اور بعض قدیم کتابوں پر تحقیق وتحشیہ کا کام حسبِ ضرورت، یا حسبِ خواہش اساتذہ کے ذمہ سپرد کیا گیا۔

چناں چہ راقم الحروف نے اپنے لیے:

''اہل بیت النبی ﷺ کا مصداق اور فضائل ومناقب''

کا عنوان اختیار کیا، یہ موضوع اگر چہ قدیم تھا؛ لیکن اہل علم واقف ہیں کہ موجودہ وقت میں قدیم اور مفروغ عنہ بحثوں کو از سرِ نو چھیڑ کر عام مسلمانوں کے ذہن وفکر کو متاثر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اس موضوع کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ ہر مسلمان کا بنیادی عقیدہ ہے کہ جس طرح فخرالرسل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی تمام بنی نوعِ بشر میں سب سے اکمل اور

الرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی تمام بنی نوعِ بشر میں سب سے اکمل اور افضل ہے، اسی طرح آپ کا عالی نسب خاندان بھی، تمام خاندانوں میں سب سے بہتر اور افضل ہے، صحیح حدیث میں ہے: "إنّ اللہ اصطفی کِنانةَ مِن وَلَد إسماعیل، واصطفی قریشاً من کنانة، واصطفی بني ھاشم مِن قریش، واصطفاني من بني ھاشم" [رواہ مسلم: ۲۲۷۶] (اللہ نے بنو اسماعیل میں سے اولادِ کنانہ کو منتخب فرمایا اور ان میں خاندانِ قریش کو ممتاز فرمایا، ان میں بنو ہاشم کو اِمتیاز بخشا اور اُن میں مجھے "مصطفیٰ" بنایا)۔

مسند احمد (۱۷۵۱۷) اور ترمذی (۳۵۳۲) وغیرہ کی ایک حدیث میں مزید وضاحت ہے: کہ ایک مرتبہ قریش آپس میں اپنے حسب نسب کا تذکرہ کر رہے تھے، یا انصار سے کچھ ذکر چل رہا تھا، آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: "ألا إنَّ اللہ خلَقَ خلْقَه فجَعلَني مِن خَیْرِ خَلقِه، ثم فَرَّقَھم فِرقتین فجَعلَني مِن خیرِ الفِرقَتین، ثم جَعَلَھم قبائلَ فجعلَني مِن خَیرھم قبیلةً، ثم جَعلَھم بیوتاً فجعلني مِن خیرھم بیتاً، وأنا خیرُکم بیتاً وخیرُکم نفساً" واللفظ لأحمد۔

(سنو! اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پیدا فرمائی تو مجھے سب سے منتخب مخلوق میں سے بنایا، پھر اُس بہترین مخلوق کو اِنسان اور جنات کے دو حصوں میں تقسیم فرمایا، تو مجھے دونوں میں سے زیادہ بہتر والی قسم میں رکھا، پھر اِس قسم کو مختلف قبائل اور خاندانوں میں تقسیم فرمایا تو مجھے اُن میں سب سے بہتر بنایا قبیلہ کے اِعتبار سے، پھر اُن کو گھرانوں میں تقسیم فرمایا تو مجھے سب سے اعلیٰ گھرانے میں رکھا، لہٰذا میں تم میں سب سے بہتر ہوں گھرانے کے لحاظ سے بھی اور سب سے بہتر ہوں اپنی ذات کے اِعتبار سے بھی)۔

اِس لیے اِسلام میں یہ بات تو متفق علیہ اور طے شدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا نسب سب

سے افضل نسب ہے، اور پھر آپ سے چلنے والی نسل سب سے افضل اور انسب ہے۔

البتہ قرآنِ کریم کی آیت: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ [الأحزاب: ۳۳] کا مصداق کیا ہے؟ اس بارے میں جمہورِ اُمت کا مسلک؛ قرآنِ کریم کے سیاق وسباق، عرفِ عام اور لغتِ عرب کی روشنی میں یہ ہے کہ آیت میں اہل بیت سے اَزواج مطہرات مراد ہیں؛ اس لیے کہ اس آیت کریمہ سے ماقبل بھی خطاب ازواج مطہرات سے چلا آتا ہے اور مابعد میں بھی انہی سے خطاب چلا گیا ہے، اس لیے لامحالہ اس آیت کا خطاب بھی انہی سے ہے، انہی کو اہل بیت کے ساتھ پکارا گیا ہے اور انہی سے ہر طرح کی برائی دور رکھنے اور پورے طور پر پاک وپاکیزہ رکھنے کا اعلان فرمایا گیا ہے، قرآن کریم کی اس نص قطعی سے ثابت ہوتا ہے کہ پاک نبی کی پاک بیویاں ''اہل بیت نبی'' ہیں (ﷺ ورضی اللہ عنہن) اس لیے مسلمان جب بھی نبی پاک ﷺ کی ازواج مطہرات کا ذکر کرتے ہیں، انھیں ''ازواج مطہرات'' کے لفظ سے یاد کرتے ہیں، پس آیت قرآنی کا اصل اور اوّلین مصداق ازواج مطہرات ہیں؛ البتہ حضور ﷺ نے دیگر اہلِ خانہ کو بھی اہل بیت میں شامل فرما کر ان کے حق میں بھی تطہیر کی دعا فرمائی ہے، جیسا کہ احادیث میں اِس کا ذکر بھی موجود ہے۔

نیز تطہیر سے مراد: معصوم بنانا نہیں، بلکہ قلب کو گناہوں اور اَخلاقِ رذیلہ سے پاک کر کے روشن کرنا مراد ہے، جو ولایت کا اعلیٰ مقام ہے۔

اِس کے برخلاف بعض فرقوں (روافض اور اہلِ تشیع) کی طرف سے یہ دعویٰ کیا گیا کہ:

۱: اِس آیت میں ''اَهــل البيــت'' کا مصداق: صرف ذواتِ اَربعہ: آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرتِ فاطمہ، داماد حضرت علی اور دونواسے: حضرات حسن وحسین رضی اللہ عنہم) ہی ہیں، آپ کی ازواجِ مطہرات (گھر والیاں) اِس میں شامل نہیں۔

۲: پھر اِذہابِ رجس اور تطہیر سے مراد اُن کے گناہ معاف کرنا نہیں، بلکہ اُن کو ''معصوم'' قرار دینا ہے۔

شیعوں کے یہ دونوں دعوے اگر اُنہی کے حلقوں تک محدود رہتے پھر تو اِس وقت اِس موضوع پر مستقل طور پر لکھنے کی ضرورت نہ تھی، مگر گردو پیش پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعیت کے اِن گمراہ کن نظریات سے متاثر ہو کر اہلِ سنت کی طرف منسوب بعض اَفراد بھی ''اہلِ بیت'' کے مفہوم اور ''آیتِ تطہیر'' کے مصداق میں التباس پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، جس سے اہلِ سنت کے سادہ لوح عوام بھی متاثر ہو رہے ہیں۔

اِس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ دین کے اِس اہم فکری اور اعتقادی موضوع کو کتاب وسنت اور جمہور اہل السنۃ کے مسلک کی روشنی میں مستقل کتابی شکل میں مدلل اور حوالہ جات سے مزین کر کے پیش کیا جائے، تاکہ طالبینِ حق کی رہنمائی کا اور شکوک وشبہات سے متاثر افراد کی دستگیری کا سامان ہو جائے اور ہم سب کے لیے دنیا میں ہدایت اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بن جائے، وما ذلك على الله بعزيز۔

اِسی داعیہ اور جذبہ سے یہ کتاب

''اہل بیت النبی ﷺ: مصداق اور فضائل ومناقب''

ترتیب دی گئی ہے اور اِس میں ہر بات مستند مصادر اور اپنے اکابر واسلاف کی کتابوں کے حوالے سے، یا اُن کی تحقیقات واِفادات کی روشنی ہی میں لکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

متعلقہ مباحث کو ذہن میں رکھتے ہوئے اِس کتاب کو زیرِ نظر تمہید (تقریبِ کتاب) کے علاوہ دو قسموں اور ایک خاتمہ پر تقسیم کیا گیا ہے:

قسمِ اول: اہلِ بیت اور آیتِ تطہیر

اور اِس میں تین فصلیں ہیں:

فصلِ اول: آیتِ تطہیر: ترجمہ ومطلب، شانِ نزول، سیاق وسباق

فصلِ دوم: آیتِ تطہیر میں وارِد ''اہل البیت'' کا مصداق: لغت، عرف اور قرآن وحدیث کی روشنی میں

فصلِ سوم: تطہیر کا مفہوم، تطہیر اور عصمت میں فرق، معصوم کون ہوسکتا ہے؟

قسمِ دوم: آل النبی ﷺ اور اُن کے فضائل ومناقب

اور اِس میں ایک تمہید اور چار فصلیں ہیں:

تمہید: لفظِ ''اہل'' اور ''آل'' کی تحقیق اور اُس کا مصداق

فصلِ اول: آل النبی ﷺ عمومی فضائل ومناقب

فصلِ دوم: اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن: سیرت اور فضائل ومناقب

فصلِ سوم: اَولادِ طیبات رضی اللہ عنہم: سیرت اور فضائل ومناقب

فصلِ چہارم: اَصہارِ کرام رضی اللہ عنہم: سیرت اور فضائل ومناقب

خاتمہ: سب سے افضل خاتون کون؟

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اِس ادنیٰ کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول سے نوازیں اور اِس کے نفع کو عام وتام فرما کر، ناچیز مؤلف کے لیے ذخیرۂ آخرت اور طالبین کے لیے وسیلۂ ہدایت بنادیں، آمین۔

تشکر وامتنان

اِس موقع پر سالارِ قافلہ حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب مدظلہم (مہتمم دارالعلوم دیوبند) کے لیے جذبۂ تشکر وامتنان کا اِظہار بھی ضروری ہے جن کی خواہش، دلچسپی اور دعاؤں سے یہ خدمت پایۂ تکمیل کو پہنچی، اللہ تعالیٰ حضرت والا کو اپنی شایانِ شان جزا مرحمت فرمائیں، نیز حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ (سابق معاون مہتمم دارالعلوم، دیوبند) کا ذکرِ خیر بھی ضروری ہے جن کی سرپرستی اور ہمت اَفزائی سے اِس کام کا

آغاز ہوا، اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں، آمین۔

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب (مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) کا ممنون کرم ہوکر شکر گزار ہوں کہ حضرت والا نے بنفس نفیس کتاب پر نظر ثانی فرمائی اور بیش قیمت تقریظ تحریر فرمائی اللہ تعالی حضرت والا کو اپنی شایان شان جزا مرحمت فرمائے۔

نیز حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب (صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند) کا تہہ دل سے مشکور اور سپاس گذار ہوں کہ حضرت والا نے غایت شفقت اور محبت کا معاملہ فرمایا اور از راہ نوازش کتاب کا از اول تا آخر مطالعہ فرما کر اس پر بیش بہا تقریظ تحریر فرما کر ممنون کرم واحسان فرمایا۔

حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی صاحب زید مجدہم (رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند) کا منت گذار ہوں جن کی حوصلہ افزائی سے کام اختتام کو پہنچا، پھر حضرت والا کا مزید کرم یہ ہوا کہ کتاب کو ملاحظہ فرما کر بطور تقریظ کلمات تحسین وتبریک رقم فرمائے جو میرے لیے طمغۂ سعادت ہیں۔

نیز استاذ گرامی قدر حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی (نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند) دامت برکاتہم کے لیے جذبات تشکر وامتنان کا اظہار بھی ضروری ہے جن کی ہمت افزائی اور دعا ناچیز کے لیے ہمیشہ معاون خیر بنتی ہے، وہ اس کام میں بھی شامل حال رہی، اللہ تعالی ان سب حضرات کو اپنی شایان شان جزائے خیر مرحمت فرمائے۔

جناب مولانا عمران اللہ خان صاحب استاد دارالعلوم دیوبند کنو یز تحقیق وتالیف کمیٹی کی دلچسپی اور تعاون کا ذکر نہ کرنا بھی ناسپاسی ہوگی جن کی مساعی جمیلہ سے یہ کتاب حلیہ طبع سے آراستہ ہو رہی ہے۔

آخر میں اُن معاونین کا شکریہ ادا کرنا بھی از بس ضروری ہے جنھوں نے کسی بھی طور پر اِس کتاب کی ترتیب اور تکمیل میں تعاون فرمایا۔

بالخصوص برادرِ عزیز مولوی محمد معاویہ سعدی سلمہ اُستاذ تخصص فی الحدیث، جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، خاص شکریے کے مستحق ہیں جنھوں نے احادیث کی تخریج، مراجع کی تحقیق اور بہت سے مباحث کی ترتیب میں اپنے مفید اور قیمتی مشوروں سے بہترین تعاون کیا۔

اور برخوردار عزیزم مولوی سیف الاسلام سلمہ کے لیے بھی دِل سے دعا ہے جو کمپوزنگ، عناوین و مراجع کی فہرست سازی وغیرہ کے مختلف مراحل میں دلچسپی لیتے رہے۔

اللہ تعالیٰ سب ہی حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور تمام دینی خدمات کو قبول فرمائیں، آمین۔

وصلى الله وبارك وسلم على خير خلقه محمد، وآله وأصحابه أجمعين، والحمد لله رب العالمين.

فقط

خاک پائے درویشاں

زین الاسلام قاسمی الہ آبادی

(مفتی دارالعلوم، دیوبند)

۲۷/ رجب ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۲/ مارچ ۲۰۲۱ یوم الجمعۃ

○❖○

تقریظ

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم

مہتمم و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہٗ و تعالیٰ

پیش نظر کتاب ''اہل بیت النبی ﷺ، مصداق اور فضائل ومناقب'' ایک علمی وتحقیقی کتاب ہے، جس کا بنیادی مقصد آیت تطہیر، یعنی: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ کی صحیح تفسیر پیش کرنا ہے اور اس کا محرک یہ ہے کہ روافض کی طرف سے اس آیت کریمہ کی اپنے مزعومہ عقیدے کی بنا پر سیاق و سباق اور لغت عرب کے تقاضوں سے الگ من مانی تفسیر کے نتیجہ میں بہت سے لوگ غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں، آیت کریمہ میں اہل البیت کا مصداق کون سی جماعت ہے؟ تطہیر سے کیا مراد ہے؟ کیا تطہیر کا معنی عصمت ہے؟ جو کہ درحقیقت انبیا علیہم السلام کی خصوصیت ہے، علاوہ ازیں اس آیت میں مذکور اہل البیت کے قرآنی مصداق کی تعیین کے بعد حضرت نبی کریم ﷺ کی دعا کی برکت سے خانوادۂ نبوت کے جن خوش نصیب افراد کو اہل البیت کے عموم میں شامل کیا گیا ان کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

اور ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کے معتدل مسلک وعقیدہ کے مطابق ازواجِ مطہرات، اولادِ طیبات اور اصہارِ کرام کی سیرت اور فضائل ومناقب کو بھی تفصیل کے ساتھ شامل کتاب کیا گیا ہے، اِسی طرح اہلِ بیت کے مصداق اور اُن کے فضائل ومناقب کے بیان کے سلسلہ میں اہل سنت والجماعت اور بالخصوص علمائے دیوبند کے مسلک کی ترجمانی مستند مصادر، معتبر حوالہ جات اور اکابر کی تحقیقات کی روشنی میں کر دی گئی ہے۔

حضرت مولانا مفتی زین الاسلام صاحب مفتی دار العلوم دیوبند کی یہ تصنیف ان شاء اللہ اہل بیت کی تحقیق کے سلسلہ میں اہم حیثیت کی حامل ہوگی اور شیخ الہند اکیڈمی کی اہم مطبوعات میں شمار کی جائے گی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے اور ہم سب کو سلف صالحین کے متوارث اور معتدل عقیدے پر قائم رہنے اور ان کی حمایت اور ترویج واشاعت کی توفیق بخشے۔

والسلام

ابو القاسم نعمانی غفرلہٗ

مہتمم دار العلوم دیوبند

۲۲؍ذیقعدہ ۱۴۴۲ھ = ۴؍جولائی ۲۰۲۱ء

○❖○

تقریظ

حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم

صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند

باسمہ سبحانہٗ و تعالیٰ

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَیُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا

[سورت نمبر۳۳/ آیت نمبر۳۳]

ترجمہ: اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والو! تم سے گندی باتیں دور کردے اور تم کو ستھرا کردے۔

اس آیت میں صحابہ اور تابعین اور تمام ہی مفسرین فرماتے ہیں کہ ''اہل بیت'' میں ازواج مطہرات یعنی امہات المؤمنین شریک ہیں اور یہی چیز قرین قیاس بھی ہے؛ کیونکہ آیت نمبر ۲۸ر سے ازواج مطہرات کا ذکر چل رہا ہے آیت نمبر ۳۳ر بیچ میں آتی ہے بعد کی آیت بھی ازواج مطہرات ہی سے متعلق ہے اس لیے عقلی اور نقلی شواہد کی بنیاد پر علاوہ حضرات روافض کے سب ہی علماء اس آیت میں ''اہل بیت'' کا مصداق امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو مانتے ہیں۔

حضرت مفتی زین الاسلام زید مجدہم نے اسی مذکورہ آیت کے ایک ایک لفظ کی تشریح وتفسیر نہایت معتبر طور پر تفسیر اور لغت وغیرہ کتب سے مدد لیتے ہوئے پیش فرمائی ہے، نیز مولانا موصوف نے تمام اہل بیت کے فضائل بھی منتخب کتابوں سے تلاش کر کے تحریر فرمائے ہیں جس سے کتاب کی افادیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔

کتاب نہایت دلچسپ ہے، معلومات کا ذخیرہ ہے اس فقیر نے طالب علمانہ حیثیت سے ازاول تا آخر کتاب کا مطالعہ کیا ہے ہر قول کو نقل کرنے کے بعد اس کے مرجع کو رکھا گیا ہے جس سے کتاب کی معتبریت بڑھ گئی ہے اور حضرت مفتی صاحب موصوف کی علمی امانت وذہانت بھی ظاہر ہو جاتی ہے ہر شخص کو اس کتاب سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

یہ تہی دست دعا گو ہے کہ اللہ تبارک وتعالی مصنف محترم کے علم میں اور عمر میں برکت عطا فرمائے اور اس خدمت کو قبولیت سے نوازے اور کتاب کو ہر طبقہ کے لیے مفید سے مفید تر بنائے۔ آمین ثم آمین

(حضرت مولانا) ارشد مدنی (مدظلہ)

(صدر المدرسین دار العلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند)

۱۸/۱/۱۴۴۳ھ

○❖○

تقریظ

حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی دامت برکاتہم

مہتمم دارالمبلغین لکھنؤ ورکنِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند

باسمه تعالیٰ حامداً و مصلیاً و مسلماً

زیرنظر کتاب ''اہل بیت النبی ﷺ مصداق اور فضائل ومناقب'' میں آیتِ قرآنی ''إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا'' کی تفسیر اور ''اہل بیت'' کا مصداق، ان کے فضائل اور دیگر اعتقادی مسائل کی تشریح وتحقیق پیش کی گئی ہے، مذکورہ بالا آیتِ کریمہ کے سیاق سے بالکل ظاہر ہے کہ ''اہل بیت'' سے مراد نبی ﷺ کی مبارک بیویاں ہیں، اسی مفہوم کو علمائے تفسیر نے بیان کیا ہے، اہل سنت کا اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آیت کا سببِ نزول رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات ہیں، لہٰذا اہلِ بیت سے اولاً وہی مراد ہیں، اگر کوئی شخص ازواجِ مطہرات کو ''اہل بیت'' کے مصداق سے خارج کرتا ہے تو وہ قرآن کا منکر ہے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کبھی اس کے خلاف کوئی جملہ احادیث میں نہیں ملتا جس میں ازواج مطہرات کو اس مصداق سے خارج کر دیا گیا ہو البتہ اِس ''اذہابِ رجس'' اور ''تطہیر'' کے شرف وفضیلت اور اختصاص وامتیاز (جو آپ کی ازواجِ مطہرات یعنی گھر والیوں کو منجانب اللہ عطا کیا گیا) میں آپ ﷺ نے سیدنا حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضراتِ حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کو ''اللهم هٰؤلاء أهل بيتي'' کہہ کر شامل فرمایا ہے، جو اِن حضرات سے آپ ﷺ کے تعلق خاطر اور محبت کی دلیل ہے تاکہ وہ بھی اس فضیلت کو پالیں اور اس انعامِ خداوندی سے محروم نہ رہیں، اس لیے اہل سنت کا

فیصلہ یہی ہے کہ یہ آیت نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ مطہرات کے شرف کے اظہار کے لیے ہے اور حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہم اس میں داخل ہیں، ان کو اہل بیت سمجھنا اہل سنت والجماعت کے لیے اعتقادی اعتبار سے ایک ضروری امر ہے، کوئی بدنصیب ان کی طرف سے سوئے ظنی کا شکار ہوگا تو وہ اہل سنت والجماعت میں شمار نہیں ہوسکتا حضور انور علیہ السلام کی نسبت بہت بڑی نعمت ہے جو ان حضرات کو پوری طرح حاصل ہے اس لیے اہل سنت والجماعت ان سے محبت وتعلق کو اپنے لیے باعث نجات تصور کرتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی زین الاسلام صاحب مدظلہ (مفتی دارالعلوم دیوبند) جن سے میرا قدیم تعلق ہے، مولانا موصوف کے خاندان سے میرے خاندان کی غیر معمولی قربت رہی ہے، ان کے اصرار وخواہش پر یہ چند سطریں تحریر کردیں ہیں، ورنہ مولانا کی کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے انتہائی جامع ومدلل اور مضمون کے اعتبار سے انتہائی قابلِ قدر ہے، مولانا موصوف نے آیتِ تطہیر کے تمام گوشوں کو اس کتاب میں واضح کردیا ہے جو قارئین کے لیے انشاء اللہ باعثِ اطمینان وتسلی ہوگا، خوشی کی بات ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے اپنے اکابر کی تشریحات اور تفسیروں کو سامنے رکھ کر کتاب کو مرتب کیا ہے جس سے کتاب کے اعتبار واعتماد میں مزید اضافہ ہوگیا، اللہ تعالیٰ ان کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور امت کے لیے نافع بنائے۔ آمین

عبدالعلیم فاروقی

مہتمم دارالمبلغین لکھنؤ

۷/ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ = ۱۸/جولائی ۲۰۲۱ء

○❖○

قسمِ اول: اہلِ بیت اور آیتِ تطہیر

اِس میں تین فصلیں ہیں:

فصلِ اول:

آیتِ تطہیر: ترجمہ و مطلب، شانِ نزول، سیاق وسباق۔

فصلِ دوم:

آیتِ تطہیر میں وارِد "اہل البیت" کا مصداق: (لغت، عرف اور قرآن وحدیث کی روشنی میں)۔

فصلِ سوم:

تطہیر کا مفہوم، تطہیر اور عصمت میں فرق، معصوم کون ہوسکتا ہے؟

فصلِ اوّل

آیتِ تطہیر: ترجمہ ومطلب، شانِ نزول، سیاق وسباق

آیتِ تطہیر:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ [الأحزاب: ٣٣]۔

ترجمہ ومطلب:

اے نبی کے گھر والو! (جان لو کہ) بس اللہ تعالیٰ (اِن احکام وہدایت سے) یہی چاہتا ہے کہ (خاص طور پر) تم سے (ظاہری اور باطنی) گندگی کو دور کردے (تاکہ تمہارا لباسِ تقویٰ میلا اور خراب نہ ہو) اور تم کو خوب پاک اور ستھرا کردے (کہ معصیت کے میل وکچیل کا نام ونشان بھی نہ رہے، اور تطہیر تم کو جب حاصل ہوگی جب تم ہمارے اِن احکام اور ہدایات پر عمل کروگے)۔

شانِ نزول:

جب آپ ﷺ کو مشرکین ویہود کے خلاف بڑی بڑی فتوحات حاصل ہونی شروع ہوئیں اور اُن کے نتیجے میں ملنے والے مالِ غنیمت اور مالِ فئی سے عام مسلمانوں میں ایک گونہ خوش حالی پیدا ہونے لگی، تو اَزواجِ مطہرات کو یہ خیال ہوا کہ اِس فراوانی سے ہمیں بھی کچھ فائدہ حاصل کرنا چاہیے۔

اِس غرض سے وہ سب جمع ہو کر حضرت رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ شاہانِ دنیا (قیصر و کسریٰ) کی بیبیاں تو طرح طرح کے زیورات اور قیمتی لباس زیب تن کرتی ہیں اور ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی گذارتی ہیں اور ہمارے فقر و فاقہ کا حال آپ دیکھ ہی رہے ہیں، تو اَب جب گنجائش ہوگئی ہے تو ہمارے اوپر بھی کچھ توسع کا معاملہ فرمایا جائے۔

اَزواجِ مطہرات کا یہ مطالبہ سن کر نبی کریم ﷺ کو بہت رنج ہوا کہ اِنھوں نے ''بیتِ نبوت'' کی قدر نہیں پہچانی اور اپنے گھر میں دین کی اور نبوت کی اتنی بڑی دولت ہوتے ہوئے، دنیا اور اہلِ دنیا کے عیش و آرام کی طرف نظر کی۔

آپ کی ناراضگی اور ناپسندیدگی اور پھر اَزواجِ مطہرات کی طرف سے پیش کی جانے والی معافی اور تلافی کے قصے کے تناظر میں سات آیات پر مشتمل پورے رکوع کا یہ مضمون نازل ہوا۔

سیاق وسباق:

اس رکوع کی ابتدا میں یہ فرمایا گیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحاً جَمِيْلاً، وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ أَجْراً عَظِيْماً﴾

[الأحزاب: ۲۸-۲۹]

(اے نبی! اپنی بیبیوں سے فرما دیجیے کہ اگر تم دنیا کی زندگانی اور یہاں کی رونق چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو (طلاق اور ساتھ میں مُتعہ کا سامان دے کر) کچھ

(دنیوی) فائدہ پہنچادوں، اور (پھر) خوش اُسلوبی سے تم کو رخصت کردوں اور اگر تم (اِختیار کرنا) چاہتی ہو اللہ کو اور اُس کے رسول کو اور دارِ آخرت کو، تو یقیناً اللہ نے تم میں سے نیک کرداروں کے لیے اجرِ عظیم مہیا کر رکھا ہے)۔

ظاہر ہے کہ ﴿الطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ﴾ (پاکیزہ بیبیاں پاکیزہ نفوس ہی کے شایانِ شان ہیں) کے بموجب، نبی کریم ﷺ کے حرمِ محترم کے لیے اَزواجِ مطہرات کا انتخاب تو بارگاہِ قدس سے ہوا تھا، اِس لیے بشری تقاضے سے دنیا کے معمولی راحت و آرام کا وقتی خیال تو اُن کے قلوب میں آسکتا تھا، مگر اس کے حصول کے لیے رسولِ پاک ﷺ کی صحبت اور معیت کو قربان کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، چنانچہ اِس ''آیتِ تخییر'' کے نازل ہونے کے بعد جب آپ ﷺ نے اُن کو اِختیار دیا تو سب نے بِلا تأمل آپ ہی کی ذات کو اِختیار کیا۔

جس سے خوش ہو کر اللہ تعالیٰ نے پہلے تو اُنھیں اُن کے مقام و مرتبہ کی یاد دہانی کرائی، کہ تم لوگوں کا معاملہ عام عورتوں جیسا نہیں ہے، تم تو ''بیتِ نبوت'' کی ہو، اِس لیے تم سے کوئی غلطی ہوگی تو مؤاخذہ بھی سخت ہوگا اور نیکی ہوگی تو اجر بھی زیادہ ملے گا؛ بشرطیکہ تقویٰ کی شرائط پوری کی جائیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان قدسی صفات پاکیزہ بیبیوں کو حصولِ تقویٰ سے متعلق چند نصیحتیں فرمائیں کہ:

۱: بات تو اچھی کیا کرو، مگر نامحرم مَردوں سے نرم آواز میں گفتگو مت کیا کرو، کہ اِس سے بیمار ذہنیت کے لوگوں کو بلا وجہ میلان اور طمع پیدا ہو۔

۲: بلا ضرورت گھر سے نکلا مت کرو اور بوقتِ ضرورت نکلنا ہی ہو تو اہلِ جاہلیت کی طرح سج دھج کر مت نکلا کرو! اور سورت کے آخر میں اِس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ: عورتیں گھر سے نکلتے وقت نقاب اوڑھ کر نکلا کریں۔

۳: نماز کا اہتمام کیا کرو۔

۴: زکوۃ دیا کرو۔

۵: اور جملہ اُمور میں اللہ اور اُس کے رسول کی اِطاعت کیا کرو۔

یہ ہدایات اگرچہ عام ہیں اور پوری اُمت اِن اَحکام کی مکلّف ہے، مگر اَزواجِ مطہرات کو خصوصی خطاب اِس لیے کیا گیا کہ وہ اپنی شان اور بیتِ نبوت کے مناسب اِن اعمال کا زیادہ اہتمام کریں۔

(مستفاد اَز: تفسیر آیاتِ خلافت وامامت، از: امام اہلِ سنت مولانا عبدالشکور فاروقی ص: ۴۷۵ ومابعد، ومعارف القرآن ادریسی ۶/۲۴۴ ومابعد، ومعارف القرآن شفیعی ۷/۱۲۳ ومابعد)۔

حضرت قاضی ثناءاللہ صاحب پانی پتیؒ فرماتے ہیں:

بيَّن الله سبحانه : أنه إنما نهاهن وأمرهن ووعظهن لئلا يقارف أهل بيت رسوله المأثم، وليتصفوا بالتقوى (تفسير مظهری ۷: ۳۴۴)۔

(اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا کہ اِس لیے اُن کو بطور خاص اِن باتوں سے منع کیا گیا ہے اور بعض اُمور کا حکم دیا گیا ہے اور خصوصی وعظ ونصیحت فرمائی گئی ہے تاکہ اللہ کے رسول کے گھر والے کسی قسم کے گناہ میں ملوث نہ ہوں اور صفتِ تقوی سے متصف رہیں)۔

اور اِس خصوصی خطاب کی حکمت آیتِ تطہیر میں یہ بتلا دی گئی کہ اِس سے کوئی اللہ تعالیٰ کا فائدہ اور نفع وابستہ نہیں ہے، بلکہ یہ بات تمہاری ہی خیر خواہی اور مصلحت سے کہی جارہی ہے اور اِس کا مقصد یہ ہے کہ اِن اعمال اور طاعت وعبادت کے ذریعہ تم اِس مقام پر پہنچ جاؤ کہ انجام کار اللہ تعالیٰ تم سے رِجس اور گندگی کو بالکلیہ دور کردے اور تم کو آلائشِ دنیا اور گناہوں سے بالکل صاف ستھرا کردے۔ (تفسیر رازی: الأحزاب: ۳۳)

آیتِ تطہیر کا یہ سادہ سا مضمون ہے جس سے اَزواجِ مطہرات کی خاص فضیلت ثابت

ہوتی ہے، پھر بعض صحیح احادیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے (جیسا کہ تفصیل اِن شاء اللہ آئندہ آئے گی) کہ اَزواج کی اِس فضیلت کے نازل ہو جانے کے بعد آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حضور توسیعِ رحمت کے طور پر اپنے بعض اَفرادِ خانہ کو بھی اِس فضیلت میں شریک کر لینے کی درخواست کی، جو بارگاہِ ذوالجلال میں قبول ہوئی اور ذواتِ اَربعہ- حضرات علی، فاطمہ، حسن، حسین رضی اللہ عنہم- کو بھی (اور بعض روایات کے مطابق حضرت عباسؓ وغیرہ کو بھی) اُس میں شامل کر لیا گیا۔

مگر اِس سادے سے مضمون میں اہلِ باطل نے مختلف انداز میں پیچیدگی اور التباس پیدا کرنے کی کوشش کی، جس میں دو التباس بہت اہم ہیں: ایک ﴿أہل البیت﴾ کے مصداق کی تعیین میں۔ دوسرا ''تطہیر'' کے مفہوم کی تعیین میں۔

آئندہ صفحات میں آنے والی دوسری اور تیسری فصل کو اِسی تناظر میں دیکھنا چاہیے۔

○❖○

فصلِ دوم

آیتِ تطہیر میں وارِد "اہل البیت" کا مصداق:
لغت، عرف اور قرآن وحدیث کی روشنی میں

عام حالات میں "اہلِ بیت" کا لفظ کوئی ایسا لفظ نہیں تھا جس کے معنی اور مفہوم کو بیان کرنے کے لیے کسی تفصیلی وضاحت اور مدلل بحث کی ضرورت پڑتی، مگر روافض اور اہلِ تشیع کی طرف سے اِس لفظ میں جو التباسات پیدا کرنے کی کوشش کی گئی اُن کی وجہ سے اَب اِس لفظ کے اصل مصداق اور مراد کو سمجھانے کے لیے علمی دلائل اور مباحث کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

"اہل البیت" کا لغوی مفہوم:

لغت میں "اہل" کے معنی ہیں: "والے" اور "بیت" کا ترجمہ ہے: "گھر"۔ لہٰذا "اہل البیت" کا اردو ترجمہ ہوا: "گھر والے" اور فارسی میں: "اہلِ خانہ"۔

لغت کی مشہور کتاب: "المُغرب في ترتيب المُعرِب" کے مصنف علامہ مطرِّزیؒ فرماتے ہیں:

أهلُ الرجل: امرأتُه وولدُه والذين في عياله ونفقته، وكذا كل أخ وأخت، أو عم، أو ابن عم، أو صبي أجنبي يَقُوته في منزله، قال -أي الماتن-: أهلُ الرجل: أخص الناس به۔ وقيل: الأهل: المختص بشيء اختصاص القرابة، وقيل: خاصة الشيء الذي ينسب إليه، ويكنى به عن الزوجة، ومنه قوله تعالىٰ: ﴿وسارَ بأهله﴾ [القصص:

۲۹]، وتأهَّل: تزوَّج- وأهلُ البيت: سُكَّانه- وأهلُ الإسلام: مَن يَدِين به- وأهلُ القرآن: مَن يقرؤه، ويقوم بحقوقه- والجمع: أهْلُون، والأهالي على غير قياس (ص: ٣١)-

(ترجمہ: کسی شخص کے ''اہل'': اُس کی بیوی، بچے اور وہ تمام لوگ ہوتے ہیں جو اُس کے عیال اور نفقہ کے تحت آتے ہیں، چاہے وہ بھائی، بہن، چچا، چچا زاد بھائی، یا کوئی اجنبی بچہ ہی کیوں نہ ہو، جب کہ وہ اُس کو اپنے گھر میں رکھ کر اُس کا خرچ اٹھاتا ہو، ماتن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "أهل الرجل" وہ کہلاتا ہے جو اُس کا سب سے زیادہ خاص ہو اور "اہل" کی ایک تعریف یہ کی گئی ہے کہ "أهل الرجل" اُس کو کہیں گے جو کسی کے ساتھ قرابت کی خصوصیت رکھتا ہو، ایک قول یہ ہے کہ: اُس کو ایسا اختصاص ہو کہ اُس کی نسبت بھی اُدھر ہی کی جاتی ہو اور (عموماً) یہ لفظ بول کر ''بیوی'' کو مراد لیا جاتا ہے، جیسے موسی علیہ السلام کے قصے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وسارَ بأهله﴾ کہ موسی اپنی گھر والی کو لے کر چلے۔

اہلِ عرب کہتے ہیں: تأهَّل الرجلُ: یعنی: اُس نے شادی کر لی، بیوی والا ہو گیا اور جو لوگ کسی شخص کے گھر میں رہتے ہیں اُن کو أهل البيت کہا جاتا ہے۔ جو لوگ اِسلام کو مانتے ہیں اُن کو أهل الإسلام کہا جاتا ہے۔ جو لوگ قرآن پڑھتے اور اُس کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں اُن کو أهل القرآن کہا جاتا ہے۔ لفظِ أهل کی جمع: أهْلُون آتی ہے اور خلافِ قیاس أهَالي بھی آتی ہے) انتہی۔

اِس تفصیل کا خلاصہ یہ ہوا کہ لغت میں أهل البيت کا اَصل مصداق تو زوجہ اور گھر والی ہوتی ہے، اِس لیے کہ اُس کا نفقہ اور سکنی من جانب اللہ زوج کے ذمہ ہوتا ہے، اِسی طرح وہ چھوٹے بچے جو عیالداری میں ہوں وہ بھی اس کے اصل مصداق میں شامل ہیں، پھر اِس

کے عموم میں وہ تمام لوگ بھی آجائیں گے جو اُس کے گھر میں رہتے ہوئے اُس کے عیال میں داخل ہوں۔

’’اہل البیت‘‘ کا عرفی مفہوم:

عرف میں بھی اِس کا مصداق وہی مانا اور سمجھا جاتا ہے جو لغت میں ہے، چنانچہ جب ’’اہلِ خانہ‘‘، یا ’’گھر والے‘‘ کا لفظ بولا جاتا ہے تو بیوی بچے اور اَفرادِ خانہ ہی مراد ہوتے ہیں۔

امام اہلِ سنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقیؒ فرماتے ہیں:

لفظِ ’’اہل بیت‘‘ لغتِ عرب میں اَزواج ہی کے لیے مستعمل ہوتا ہے اور اِس لفظ کا ترجمہ ہر زبان میں اَزواج ہی کے لیے مستعمل ہے۔ چنانچہ اِس کا فارسی ترجمہ ’’اہلِ خانہ‘‘ اور اُردو ترجمہ ’’گھر والے‘‘ برابر اِسی معنی میں اِستعمال ہو رہا ہے اور اِس قدر کہ ہر کس و ناکس سمجھ سکتا ہے کہ ’’اہلِ بیت‘‘ ہر شخص کے وہی لوگ ہیں جو اُس کے گھر میں رہتے ہوں اور ہر زمانہ کی رسم و عادت یہی ہے کہ ہر شخص کی بیویاں ہمیشہ اُس کے گھر میں رہتی ہیں، بیویوں کے علاوہ بیٹی بیٹوں کا ہمیشہ کے لیے کسی کے گھر میں رہنا شاذ و نادر، خلافِ عادت اور اِتفاقی اَمر ہے؛ خاص کر سرورِ انبیاء ﷺ کے گھر کی حالت ظاہر ہے، کہ آپ کے گھروں میں سوائے آپ کی ازواج کے کوئی نہ تھا، خاتونِ جنت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا: علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے گھر میں رہتی تھیں۔

شرعاً بھی ہر شخص پر فرض ہے کہ اپنی بیوی کو نان ونفقہ اور رہنے کا مکان دے، بیٹی بیٹوں کے لیے بلوغ اور خصوصاً نکاح کے بعد نان ونفقہ اور رہنے کا مکان شرعاً باپ کے ذمہ فرض نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جو شخص جس مقام پر رہے، مثلاً ’’اہلِ مصر‘‘ اُسی شخص کو کہیں گے جو مصر میں ہمیشہ بود و باش رکھنے والا ہو، نہ اُس کو جو چند روز کے لیے مصر میں جا کر رہ آیا

ہو، اِسی طرح ''اہلِ مکہ'' اُس کو کہیں گے جو ہمیشہ کے لیے مکہ میں رہنے والا ہو۔

پس اِسی طرح ''اہلِ بیت'' اُسی کو کہیں گے جو ہمیشہ کے لیے اُس بیت میں رہنے والا ہو اور ہمیشہ کے لیے کسی شخص کے بیت میں رہنے والا سوائے اُس کی بیویوں کے رسماً، عادتاً، شرعاً کوئی نہیں ہے۔

لہٰذا بیویوں کے علاوہ ''اہلِ بیت'' کا حقیقی اور اصلی مصداق کوئی نہیں ہوسکتا''۔ اھ

(تفسیرِ آیاتِ خلافت وامامت، ص:۲۸۳)۔

''اہل البیت'' کا قرآنی مفہوم:

قرآنِ کریم میں ﴿أهل البيت﴾ کا لفظ دو مواقع پر اِستعمال ہوا ہے:

(۱) پہلی جگہ سورۂ ہود میں سیدنا حضرت اِبراہیم اور اُن کی زوجہ سیدہ سارہ علیہا السلام کے قصے میں، جہاں فرشتوں کی طرف سے حضرت سارہ کو کیے جانے والے خطاب کا یہ جملہ نقل کیا گیا ہے: ﴿قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ﴾ [ہود:۷۳] (فرشتے بولے: کیا تم تعجب کررہی ہو خدا کے کاموں سے؟ اللہ کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں تم پر، اے گھر والو! یقیناً اللہ تعالیٰ سزاوارِ تعریف اور بزرگوار ہے)۔

اِس آیت میں حضرت اِبراہیم علیہ السلام کی زوجہ کو خطاب کرتے ہوئے ﴿أهل البيت﴾ کہا گیا ہے، جس سے یہ بات متعین ہوجاتی ہے کہ قرآنی اِصطلاح میں بھی ﴿أهل البيت﴾ کا اصل مصداق: اَزواج ہی ہیں۔

(۲) دوسری جگہ آیتِ تطہیر میں یہ لفظ وارد ہوا ہے، جہاں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی اَزواجِ مطہرات کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾۔ [الأحزاب:۳۳]

سیاق وسباق کے ساتھ ساتھ لغت، عرف، شانِ نزول کی روایات اور قرآنی اِصطلاح کو بھی سامنے رکھتے ہوئے اہل السنۃ والجماعۃ یہاں بھی ﴿أهــل البيــت﴾ کا اصل اور اولین مصداق ''نبی کی گھر والیوں'' کو قرار دیتے ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: ''اِس مقام پر جو لفظ ''اہلِ بیت'' آیتِ تطہیر میں آیا ہے، سیاق وسباق کے دیکھنے سے بالیقین اِس کا مصداق ازواجِ مطہرات ہیں، چنانچہ ابن عباسؓ کا قول اِسی آیتِ تطہیر میں ہے: نزلت في نساء النبي صلى الله خاصةً ......'' الخ۔ (بیان القرآن، الأحزاب:۳۳، فائدہ:۱۹)

علامہ آلوسی بغدادیؒ فرماتے ہیں:

﴿أهــل البيــت﴾: "أل" في "البيت" للعهد، وقيل: عوض عن المضاف إليه، أي: بيت النبي ﷺ، والظاهر أن المراد به بيت الطين والخشب، لا بيت القرابة والنسب، وهو بيت السكنى، لا المسجد النبوي كما قيل، وحينئذ فالمراد بأهله نساؤه صلى الله عليه وسلم المطهرات؛ للقرائن الدالة على ذالك من الأيات السابقة واللاحقة، مع أنه عليه الصلاة والسلام ليس له بيتٌ يَسكنه سوىٰ سكناهن.

وروى ذلك غير واحد، أخرج ابن أبي حاتم وابن عساكر من طريق عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنهما نزلت ﴿إنما يريد الله ......﴾ في نساء النبي ﷺ خاصةً، وقال عكرمة: مَن شاء باهلتُه أنها نزلت في أزواج النبي ﷺ، وروى ابن جرير أيضاً أن عكرمة كان ينادي في السوق أن قوله تعالى: ﴿إنما يريد الله......﴾ نزل في نساء النبي ﷺ۔(روح المعاني ١١: ١٩٣-١٩٤)

(ترجمہ:﴿البیــــت﴾ میں الف ولام عہدو تخصیص کا ہے، یعنی مخصوص گھر والے، یا مضاف الیہ کے عوض میں ہے، یعنی ''بیت النبی ﷺ'' اور ظاہر یہی ہے کہ یہاں لفظِ ''بیت'' سے مٹی اور لکڑی کا مروج مکان مراد ہے، نہ کہ نسب اور قرابت کا گھرانہ اور وہ آپ کا رہائشی مکان ہے، نہ کہ بقول بعض مسجد نبوی۔

پس ایسی صورت میں ''اہل بیت'' سے آں حضرت ﷺ کی اَزواجِ مطہرات ہی مراد ہوں گی، جیسا کہ اگلی اور پچھلی آیات کے قرائن بھی اس پر دال ہیں، پھر یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ آنحضرت ﷺ کا ازواجِ مطہرات کے مکانات کے علاوہ ایسا کوئی اپنا علحدہ مکان تھا بھی نہیں جس میں آپ رہتے ہوں۔

چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: کہ یہ آیتِ تطہیر خاص اَزواج النبی ﷺ ہی کے بارے میں نازل ہوئی، اِسی طرح حضرت عکرمہؒ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جو چاہے میں اُس سے مباہلہ (مناظرہ) کے لیے تیار ہوں اِس بات پر کہ یہ آیت اَزواجِ مطہرات ہی کے بارے میں نازل ہوئی، بلکہ اُن کے بارے میں یہاں تک آتا ہے کہ وہ بازار میں اِعلان فرماتے تھے کہ آیت:﴿إنـمـا يريد الله......﴾ خاص رسول اللہ ﷺ کی ازواج ہی کے بارے میں نازل ہوئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ لغت، عرف اور قرآن کے سیاق وسباق، شانِ نزول کی روایات اور دیگر قرائن سے تو آیتِ تطہیر میں وارِد﴿أهــل البيــت﴾ کا اَصل مصداق صرف اَزواجِ مطہرات ہی قرار پاتی ہیں اور اِذہابِ رجس وتطہیرِ ذنوب کی عظیم الشان فضیلت اَصلاً اور قصداً صرف اُنہی پر صادق آتی ہے، البتہ﴿عَنكُم﴾اور﴿يُطَهِّركم﴾ میں موجود ضمیر مذکر سے کچھ اِشارہ اُن کے علاوہ اَفراد کی طرف بھی ہوسکتا ہے، جیسا کہ اِس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

''اہل البیت'' کا حدیثی مفہوم:

مجموعۂ احادیث پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ احادیث میں ''اہلِ بیت'' کا لفظ مختلف معنوں میں اِستعمال ہوا ہے:

(۱) مطلق گھر میں موجود لوگوں کے لیے: جیسے آپ ﷺ کے مرض الوفات میں آپ کی طرف سے کچھ وصیت لکھوانے کی خواہش کے اظہار کے بعد، جو صورت ہوئی اُس کا تذکرہ کرتے ہوئے حدیثِ قرطاس میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:"فاختلف أهلُ البيتِ واختصموا" [بخاری:۴۴۳۲، ومسلم:۴۲۶۱] (تو گھر میں موجود لوگ اِختلاف کرنے لگے اور آپس میں بحث کرنے لگے)۔

اِسی طرح بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ثوبانؓ سے فرمایا: وأنت منا أهل البيت [مستدرکِ حاکم:۶۰۳۶] (اے ثوبان! تم ہم اہلِ بیت میں سے ہو)۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ سے فرمایا: یا سلمان! أنت منا أهل البيت [الآحاد والمثانی لابن أبی عاصم:۲۷۰۷] (اے سلمان! تم ہم اہلِ بیت میں سے ہو)۔ ایک اور روایت میں حضرت جریر بن عبد اللہ البجلیؓ کے بارے میں وارد ہوا ہے: جرير منا أهل البيت [الآحاد والمثانی:۲۵۲۴] (جریر ہم اہلِ بیت میں سے ہیں)۔

اِن روایات میں یہ لفظ عام معنی میں اِستعمال ہوا ہے۔

(۲) صرف اَزواجِ مطہرات کے لیے: جیسے ام المؤمنین حضرت زینبؓ سے نکاح کے بعد آپ ﷺ کی طرف سے کی گئی دعوتِ ولیمہ کے قصے میں ہے کہ تین حضرات بہت دیر تک آپ کے حجرے میں بیٹھے رہ گئے تھے، آپ اُن کے انتظار میں ٹہلتے ہوئے پہلے حضرت عائشہؓ کے حجرے میں، پھر یکے بعد دیگرے تمام اَزواج کے حجرے میں تشریف لے گئے اور

ہر حجرے میں جا کر اِس طرح سلام فرماتے: "السلام عليكم أهلَ البيت ورحمة الله" [بخاری:۴۷۹۳، ومسلم:۱۳۶۵]۔

اِسی طرح حدیثِ اِفک میں آپ ﷺ کا اِرشاد ملتا ہے: "مَن يَعذِرنا من رجل بلغني أذاه في أهل بيتي" [بخاری:۲۶۳۷، ومسلم:۲۷۷۰] (اُس شخص کے بارے میں ہماری مشکل کون سمجھے گا جس کی اذیتیں میرے گھر والوں تک پہنچ گئی ہیں؟)۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ آخرِ شب میں وتر کے سلام میں آواز اتنی بلند فرماتے کہ "يكاد يُوقظ أهل البيت من شدة تسليمه" [ابوداود:۱۳۴۶] (کہ گویا گھر والوں کو اٹھانا چاہتے ہوں)۔

اِسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی ایک حدیث میں ہے: "نهانا في ذلك أهل البيت أن ننتبذ في الدباء والمزفت" [بخاری:۵۵۹۵] (آپ ﷺ نے ہم گھر والوں کو کدو سے بنے ہوئے پیالے اور تارکول لگے ہوئے مٹکے میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا تھا)۔

اِن احادیث میں صرف اَزواجِ مطہرات کے لیے یہ لفظ اِستعمال ہوا ہے اور اِس کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں، مگر یہاں بطورِ نمونہ اتنی ہی کافی ہیں۔

(۳) حرمتِ صدقہ اور سہمِ ذوی القربی کے تناظر میں: جیسے آپ ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت ابن عباسؓ نے اپنے سائل کو خطاب کرتے ہوئے لکھا: كَتبتَ تسألني عن سهم ذوي القربى؛ لمن هو؟ وهو لنا أهلَ البيت [النسائی:۴۱۳۴] (تم نے دریافت کیا ہے کہ قرآن میں مذکور ذوی القربی کے سہام کے مستحق کون لوگ ہیں؟ تو معلوم ہونا چاہیے کہ اُس کے مستحق ہم اہلِ بیت ہیں)۔

اِسی طرح حضرت زید بن ارقمؓ سے مسلم شریف (۲۴۰۸) میں ایک طویل روایت ہے، جو 'حدیث الثقلین' کے نام سے بھی مشہور ہے، اُس میں یہ الفاظ ہیں: "وأنا تارك فيكم ثقلين: أولهما كتاب الله ......، فحثَّ على كتاب الله ورَغَّب فيه، ثم قال: وأهل

بيتي، أُذكِّركم الله في أهل بيتي – ثلاثاً –، فقال له حُصين: ومَن أهل بيتِه يا زيد؟ أليس نساؤه من أهل بيته؟ قال: نساؤه من أهل بيته، ولكن أهل بيته: مَن حُرِم الصدقةَ بعده، قال: وَمن هُم؟ قال: هُم آل علي، وآل عقيل، وآل جعفر، وآل عباس، قال: كل هؤلاء حُرِمَ الصدقة؟ قال: نعم"۔

(آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے درمیان دو بڑی بھاری چیز چھوڑے جاتا ہوں: اُن میں سے پہلی چیز کتاب اللہ ہے......، پھر آپ نے مختلف عنوانات اور فضائل سے کتاب اللہ کے اہتمام پر اُبھارا اور اُس کی ترغیب دی۔ پھر آپ نے فرمایا: دوسری چیز ہے میرے اہلِ بیت، میں اُن کے بارے میں بھی تمھیں اللہ کا حوالہ اور واسطہ دیتا ہوں اور یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی۔

حضرت زید بن ارقمؓ سے یہ حدیث سن کر راویٔ حدیث یزید بن حیان کے ساتھی حُصین بن سبرۃ نے حضرتؓ سے عرض کیا کہ یہاں اہلِ بیت سے کون مراد ہیں؟ کیا آپ ﷺ کی اَزواجِ مطہرات آپ کے اہلِ بیت میں سے نہیں ہیں؟ حضرت زیدؓ نے فرمایا: آپ کی اَزواج اہلِ بیت میں سے ہیں، مگر (یہاں مراد) اہلِ بیت سے وہ ہیں جن کو زکوۃ لینے سے منع کیا گیا ہے، راوی نے پوچھا: وہ کون حضرات ہیں؟ حضرت زیدؓ نے فرمایا: وہ علی کی اولاد ہیں، عقیل کی اولاد ہیں، جعفر کی اولاد ہیں اور عباس کی اولاد ہیں، عرض کیا: کیا اِن سب پر زکوۃ حرام ہے؟ فرمایا: ہاں)۔

اِن دونوں روایتوں میں اُن اہلِ بیت کا تذکرہ ہے جو ''سہامِ ذوی القربیٰ'' کے مستحق ہیں اور زکوۃ کے مصارف میں سے نہیں ہیں اور اِس میں بنو ہاشم داخل ہیں۔

اِسی طرح آپ ﷺ نے مرض الوفات میں سیدہ فاطمہؓ سے فرمایا تھا: وإنكِ أول أهل بيتي لحاقاً بي [بخاری: ۳۶۲۴] (میری وفات کے بعد میرے گھر والوں میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے ملوگی)۔

اِس میں شادی شدہ صاحبزادی کو اہلِ بیت میں سے شمار کیا گیا ہے۔

(۴) آیتِ تطہیر کے پس منظر میں: جیسے مسلم شریف[۲۴۲۴] میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے:

خرج النبي ﷺ غداةً؛ وعليه مِرط مُرَحَّل مِن شَعر أسود، فجاء الحَسن بن علي فأدخله، ثم جاء الحُسين فدخل معه، ثم جاءت فاطمة فأدخلها، ثم جاء علي فأدخله، ثم قال: ﴿إنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰه لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أهلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً﴾ [الأحزاب: ۳۳]۔

(حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ گھر سے باہر تشریف لے گئے اور اس وقت آپ ایک سیاہ رومی کمبل اوڑھے ہوئے تھے، تو وہاں حضرت حسن بن علیؓ آ گئے تو آپ نے ان کو اپنی اس چادر میں لے لیا، پھر حضرت حسینؓ آ گئے تو وہ بھی اُسی چادر میں داخل ہو گئے، اس کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں تو اُن کو بھی داخل فرما لیا، پھر حضرت علی مرتضیٰؓ آ گئے تو اُن کو بھی چادر میں داخل فرما لیا، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿إنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰه ......﴾ ۔اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آیت پڑھنے کے بعد آپ نے فرمایا: "اللّٰهم هؤلاء أهل بيتي" (رواہ ابن جریر)۔

یہ حدیث "حدیثِ کساء" کے نام سے مشہور ہے، اور متعدد کتابوں میں، متعدد صحابہ سے، مختلف الفاظ سے مروی ہے، اِس کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے آیتِ تطہیر میں وارِد ﴿أهلَ الْبَيْتِ﴾ کا مصداق: ذواتِ اربعہ (حضرات فاطمہ، علی اور حسن وحسین رضی اللہ عنہم) کو قرار دیا ہے۔

ترمذی کی ایک روایت میں مضمون کچھ اِس طرح ہے: حضرت عمر بن ابی سلمہؓ فرماتے ہیں کہ آیتِ تطہیر میری والدہ حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں نازل ہوئی، جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ، حسن، حسین رضی اللہ عنہم کو بلا کر اپنی کِساء (کملی) اُن پر ڈال دی، حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی وہیں پیچھے کھڑے تھے، آپ نے کملی اُن کے اوپر بھی ڈالدی اور عرض کیا: اللّٰهم هؤلاء أهل بيتي، فأذهِب عنهم الرجس، وطَهِّرهم تطهيراً [ترمذی: ۳۲۰۵، و۳۷۸۷]۔

(بارِ الٰہا! یہ بھی میرے گھر والے ہیں، تو اِن سے بھی رجس کو دور فرما دیجیے اور اِن کو بھی اچھی طرح پاک فرما دیجے) اِس پر حضرت اُم سلمہؓ بولیں: حضور! مجھے بھی اُن کے ساتھ شامل فرمالیں، آپ نے فرمایا: أنتِ علی مکانكِ، وأنتِ علی خیر (تم وہیں رہو اور تم خیر پر ہو)۔

اِس حدیث کی شرح میں حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، امام اہلسنت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی اور حضرت مولانا محمد اِدریس صاحب کاندہلوی وغیرہ اکابر رحمہم اللہ نے جو تفصیلات بیان فرمائی ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"جب اَزواجِ مطہرات کی فضیلت اور کرامت کے بارے میں تخییر وتطہیر کی آیات نازل ہوئیں تو آنحضرت ﷺ کو یہ خیال ہوا کہ یہ آیتیں اگر چہ خاص اَزواج ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، مگر یہ اللہ کی خاص الخاص عنایات اور رحمتوں پر دلالت کرتی ہیں، اِس لیے آپ کا دل چاہا کہ "اہلِ بیت" کے عموم میں اپنی اولاد کو بھی داخل کر کے اللہ تعالیٰ سے درخواست کروں کہ اے اللہ! علیؓ، فاطمہؓ اور حسنینؓ بھی میرے اہلِ بیت میں ہیں، ان کو بھی اِذہابِ رجس اور تطہیرِ ذنوب کی اِس خاص رحمت، کرامت اور عنایت میں شریک فرمالے۔

پس آپ ﷺ کا مقصود حصر نہ تھا کہ بس یہی اہلِ بیت ہیں اور اَزواجِ مطہرات

اہلِ بیت نہیں ہیں، بلکہ مقصد یہ تھا کہ اے اللہ! یہ بھی میرے اہلِ بیت ہیں، اِن کو بھی ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ......﴾ کی فضیلت میں داخل اور شامل فرما اور ان کو بھی اِس کرامت میں شریک فرما۔

اور بعض طرق میں جو یہ آیا ہے کہ جب آپ ﷺ نے اِن حضراتِ مذکورین کو عباء میں داخل کر کے دعا فرمائی تو ام المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے بھی اِن کے ساتھ شامل فرما لیجئے، تو آپ نے فرمایا تم اپنی جگہ رہو، تو اِس کا مطلب یہ تھا کہ تم کو عباء میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں، اِس لیے کہ تم تو پہلے ہی سے ''اہلِ بیت'' میں داخل ہو، لہٰذا تمہارے لیے اِس قسم کے عمل کی اور کسی قسم کی تصریح کی ضرورت ہی نہیں، تمہارا ''اہل بیت'' ہونا تو قطعی اور یقینی ہے۔

البتہ داماد اور داماد کی اولاد کے بارے میں شبہ ہو سکتا تھا کہ ان کو آپ ﷺ کا گھرانہ قرار دیا جائے، یا ان کو مستقل اور علیحدہ گھرانا سمجھا جائے، اِس لیے آپ ﷺ نے اُن چاروں کو چادر میں لے کر یہ دعا فرمائی، اگر بقول اہلِ تشیع اِس آیت کا اصل نزول اِنہی چاروں کے بارے میں ہوتا تو آپ ﷺ کو اِس دعا کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔

پھر جس طرح احادیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کو عباء میں داخل کرنے کا ذکر آیا ہے، اِسی طرح بعض روایات میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے متعلق بھی آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کو بھی اپنی کساء (کمبل) میں داخل کر کے دعا فرمائی۔

اِس سے بھی آپ کا مقصد یہی تھا کہ اللہ کا جو اِنعامِ خاص ﴿أَهْلَ الْبَيْتِ﴾ کے نام سے جاری ہوا ہے، اچھا ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اِس رحمت اور سعادت کے مستحق قرار پا جائیں''۔

(مستفاد از: تحفۂ اثنا عشریہ، بحوالہ: ''تفسیر آیاتِ خلافت و اِمامت'' از امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقیؒ ص: ۲۸۶، و''اشرف التفاسیر'' ۳/۲۲۴، و''معارف القرآن'' اِدریسی ۶/۲۶۵-۲۶۷)۔

اِسی طرح کی بات علامہ قرطبیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں فرمائی ہے۔(۱)

(۱) اُن کے الفاظ یہ ہیں:

قوله تعالى: ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ......﴾ هذه الألفاظ تعطي أن أهل البيت نساؤه، وقد اختلف أهل العلم في أهل البيت؛ مَن هُم: فقال عطاء وعكرمة وابن عباس: هُم زوجاتُه خاصةً، لا رجل معهن، وذهبوا إلى أن البيت أريد به مساكن النبيﷺ، لقوله تعالى:

﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِي بُيُوتِكُنَّ﴾۔

وقالت فرقة، منهم الكلبي: هُم علي وفاطمة والحسن والحسين خاصةً، وفي هذا أحاديث عن النبيﷺ، واحتجوا بقوله تعالى: ﴿لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً﴾ بالميم، ولو كان للنساء خاصةً لكان: "عنكن" و"يطهركن"، إلا أنه يحتمل أن يكون خرج على لفظ الأهل، كما يقول الرجل لصاحبه: كيف أهلك؟ أي: امرأتك ونساؤك، فيقول: هُم بخير، قال الله تعالىٰ: ﴿أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ﴾.

والذي يظهر من الآية أنها عامة في جميع أهل البيت من الأزواج وغيرهم. وإنما قال: ﴿وَيُطَهِّرَكُمْ﴾ لأن رسول اللهﷺ وعلياً وحسناً وحُسيناً كان فيهم، وإذا اجتمع المذكر والمؤنث غلب المذكر، فاقتضت الآية أن الزوجات من أهل البيت، لأن الآية فيهن، والمخاطبة لهن؛ يدل عليه سياق الكلام. والله أعلم۔

......ولا اعتبار بقول الكلبي وأشياهه، فإنه توجد له أشياء في هذا التفسير ما لو كان في زمن السلف الصالح لمنعوه من ذلك، وحجروا عليه، فالآيات كلها من قوله: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ ......﴾ إلى قوله: ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفاً خَبِيراً﴾ منسوق بعضها على بعض، فكيف صار في الوسط كلاماً منفصلاً لغيرهن؟!۔

وإنما هذا شيء جرى في الأخبار أن النبيﷺ لما نزلت عليه هذه الآية دعا علياً وفاطمة والحسن والحسين، فعمد النبيﷺ إلى كساء فلفها عليهم، ثم ألوى بيده إلى السماء، فقال: "اللهم هؤلاء أهل بيتي، اللهم أذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهيراً"، فهذه دعوة من النبيﷺ لهم بعد نزول الآية؛ أحب أن يدخلهم في الآية التي خوطب بها الأزواج، فذهب الكلبي ومَن وافقه فصيرها لهم خاصةً، وهي دعوة لهم خارجة من التنزيل۔

(انتهى ملخصاً من "تفسير القرطبي" ۷: ۱۱۹)

اِس سے معلوم ہوا کہ ﴿أهل البيت﴾ کا اَصل مصداق تو صرف اَزواجِ مطہرات ہی ہیں، مگر چونکہ حدیثِ کساء میں وارِد دعاء کے ذریعہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ اور اُن کی اولاد کو بھی (نیز بعض روایات کے مطابق حضرت عباسؓ اور آپ کی اولاد کو بھی) داخل فرمالیا تھا، اِس لیے توسعاً یہ فضیلت اور سعادت اُن کو بھی شامل ہوگئی۔

اِس لیے اِن روایات سے یہ مطلب نکالنا کسی طرح بھی درست نہیں کہ ''اہلِ بیت'' کا اَصل مصداق حضرات ذواتِ اربعہ رضی اللہ عنہم ہیں، یا تطہیر کے حکم میں اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن داخل نہیں ہیں۔

امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ حدیث کساء کے ذیل میں فرماتے ہیں:

اللهم هؤلاء أهل بيتي إلخ لاشك أن المراد بأهل البيت في الآية إنما هن أزواجه المطهرات يدل على ذالك سياق الآيات و سباقها لكن النبیﷺ أرادأن يشترك أهل البيت في إطلاق واحد وهم أهل البيت الذين جللهم بكساء في الفضيلة والتطهير فدعالهم ولذلك حين سألته أم سلمةؓ قال لها أنت على مكانك أي المرتبة التى لك من غير مسئلتي فإنكن مرادالآية ومصداقها وأما أنه حصر أهل البيت في هؤلاء وليست أزواجه بمرادات فمما يمجه اللغة و العقل أمااللغة فظاهرأن أهل البيت من هو فى بيته وأماالعقل فلأن النبى صلى الله عليه وسلم هل فعل ذالك ليعلم الرب تبارك و تعالى معنى لفظ أهل البيت الذي فى الآية ـ

جس کا حاصل یہ ہے کہ آیت کے سیاق وسباق سے یہاں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی مراد ہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ نے چاہا کہ اہل بیت کی اس فضیلت وتطہیر کے اطلاق

میں ذوات اربعہ رضی اللہ عنہم کو بھی شامل فرمادیں، پس ان کے لیے آپ ﷺ نے دعاء فرمائی، یہی وجہ ہے کہ ام سلمہؓ نے جب اپنے لیے درخواست کی تو ان سے فرمایا کہ تم اپنی جگہ ہو، یعنی اُسی مرتبہ پر جو تمہیں بغیر سوال کیے ملا ہوا ہے، کیونکہ تم تو آیت کی مراد اور مصداق پہلے ہی سے ہو۔

اس سے یہ مطلب سمجھنا کہ یہی ذوات اربعہ رضی اللہ عنہم آیت کی مراد ہیں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن مراد نہیں ہیں، تو یہ سراسر عقل اور لغت دونوں کے خلاف ہے۔ لغت کے خلاف تو اس طرح کہ ''اہل بیت'' اسی کو کہا جاتا ہے جو گھر میں ہو، عقل کے خلاف اس طرح کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ کام اس لیے کیا تاکہ اللہ تعالیٰ کو بتلائیں کہ آیت میں جو لفظ ''اہل بیت'' آیا ہے اس کے معنی یہ ہیں۔ (الکوکب الدری، ۲: ۲۵۵)

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں:

وهذه الأحاديث ونحوها لا تدل على تخصيص الحكم بهؤلاء الأربعة رضي الله عنهم، ويأباه ما قبل الآية وما بعدها، ويأباه العرف واللغة، لأن الأصل في استعمال أهل البيت لغةً النساء، وأما الأولاد وغيرهم فإنها يطلق عليهم تبعاً، لأن لهم بيوتاً متغايرةً غالباً، وقد قال الله تعالى حكايةً عن قول الملائكة لسارة امرأة إبراهيم عليهما السلام: ﴿قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ﴾ [هود: ٧٣]، والحق ما ذكرنا أن الآية تعم جميع أهل البيت؛ وإن كان سوق الكلام للنساء ......

إلخ۔ (تفسیرِ مظہری ۷: ۳٤٤ - ۳٤٥)

(اور یہ احادیث، یا اِسی طرح کی دیگر احادیث حکمِ تطہیر کی حضرات ذواتِ اربعہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تخصیص پر دلالت نہیں کر رہی ہیں؛ اِس لیے کہ سیاق

بھی اِس سے اِباء کر رہا ہے اور عرف ولغت سے بھی اِس کی تائید نہیں ہو رہی ہے، کیوں کہ لغت میں اہلِ بیت کا لفظ اَصلاً اَزواج ہی کے لیے مستعمل ہے اور رہیں (شادی شدہ) اولاد وغیرہ تو اُن پر اِس کا اِطلاق تبعاً ہوتا ہے، اِس لیے کہ عموماً اُن کے گھر الگ ہوتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی زوجہ حضرت سارہ علیہا السلام سے فرشتوں کے خطاب کی حکایت کرتے ہوئے اُن کا قول ﴿أہل البیت﴾ ہی نقل فرمایا ہے؛ لہٰذا حق بات وہی ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے کہ یہ آیت اگرچہ نازل تو ہوئی ہے اَزواج کے قصے میں، مگر (مذکورہ اَحادیث کی بنا پر) یہ تمام گھر والوں کو عام ہے)۔

حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وقولـه: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً﴾. وهذا نص في دخول أزواج النبي ﷺ في أهـل البيـت هـهنـا، لأنهـن سبب نزول هذه الآية، وسبب النزول داخـل فيـه قـولاً واحـداً: إما وحده؛ على قول، أو مع غيره؛ على الصحيح.

...... وقـال عـكرمة: مَن شاء باهلته أنها نزلت في أزواج النبي ﷺ.

قـال ابـن كثيـر: فإن كان المراد أنهن كن سبب النزول دون غيرهن فـصحيح، وإن أريد أنهن المراد فقط دون غيرهن ففي هذا نظر، فإنه قـد وردت أحاديث تدل على أن المراد أعم من ذلك. ..... (تفسير ابن كثير ۳: ۴۸۳)۔

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ ......﴾ اِس بات پر صریح نص ہے کہ یہاں "اہلِ بیت" میں ازواجِ رسول ﷺ بہر حال داخل ہیں، اِس لیے کہ وہی

اِن آیات کا شانِ نزول ہیں اور جب سببِ نزول ہیں تو وہ تو نص کے مصداق میں بہر حال داخل رہیں گی؛ خواہ تنہا، جیسا کہ ایک قول یہی ہے، خواہ صحیح قول کے مطابق دوسروں کے ساتھ۔

عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ میں اِس بات پر مباہلہ کے لیے تیار ہوں کہ یہ آیت اَزواجِ مطہرات ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے، حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: اگر اُن کی مراد یہ ہے کہ سببِ نزول وہی ہیں، کوئی اور نہیں، پھر تو بات درست ہے اور اگر مراد یہ ہے کہ ''اہلِ بیت'' کا، یا ''تطہیر'' کا مصداق صرف وہی ہیں، دوسرے حضرات نہیں ہیں، تو یہ دعویٰ محلِ نظر ہے؛ اِس لیے کہ بہت سی ایسی اَحادیث وارد ہوئی ہیں جو اِس پر دلالت کرتی ہیں کہ ''اہلِ بیت'' کا لفظ اور ''تطہیر'' کی فضیلت دوسروں کو بھی عام ہے)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

''اوپر کی آیات میں ''نساء النبی ﷺ'' کو خطاب تھا، اِس لیے بصیغۂ تانیث خطاب کیا گیا، یہاں ''اہل البیت'' میں اَزواجِ مطہرات کے ساتھ اُن کی اولاد و آباء بھی داخل ہیں؛ اِس لیے بصیغۂ مذکر فرمایا: ﴿عَنکُمُ﴾، و ﴿یُطَهِّرَکُمْ﴾ اور بعض ائمہ تفسیر نے اہلِ بیت سے مراد صرف اَزواجِ مطہرات کو قرار دیا ہے، حضرت عکرمہؒ و مقاتلؒ نے یہی فرمایا ہے اور سعید بن جبیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی روایت نقل کی ہے کہ اُنھوں نے آیت میں اہلِ بیت سے مراد اَزواجِ مطہرات کو قرار دیا اور استدلال میں اگلی آیت پیش فرمائی: ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾۔ اور سابقہ آیات میں ﴿نِسَاءَ النَّبِيِّ﴾ کے الفاظ سے خطاب بھی اِس کا قرینہ ہے......'' (معارف القرآن شفیعی ۷: ۱۳۹)۔

پھر جس طرح قرآنی سیاق وسباق کو نظر انداز کرتے ہوئے، محض حدیثِ کساء کی بنا پر ''اہل البیت'' کے مصداق کی تعیین اور حکمِ تطہیر میں حضرات ذواتِ اربعہ رضی اللہ عنہم کی تخصیص غلط ہے، اِسی طرح اَحادیث وروایات کو پس پشت ڈال کر، محض قرآنی سیاق

وسباق کی بنیاد پر، حضرات ذواتِ اربعہؓ کی شمولیت کا اِنکار بھی غلط اور جادۂ صواب سے اِنحراف ہے، چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

''......لیکن حدیث کی متعدد روایات جن کو ابن کثیرؒ نے اِس جگہ نقل کیا ہے اس پر شاہد ہیں کہ ''اہلِ بیت'' میں حضرت فاطمہؓ اور علیؓ اور حضرت حسنؓ و حسینؓ بھی شامل ہیں......''۔

مزید فرماتے ہیں: ''اِس آیت میں اور بعد میں دونوں جگہ ''نساء النبیؐ'' کے عنوان سے خطاب اور اُن کے لیے صیغے مؤنث کے استعمال ہوئے ہیں، سابقہ آیات میں ﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ﴾ سے آخر تک سب صیغے مؤنث کے استعمال ہوئے ہیں، اور آگے پھر ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى﴾ میں بصیغۂ تانیث خطاب ہوا ہے، اِس درمیانی آیت کو سیاق وسباق سے کاٹ کر بصیغۂ مذکر ﴿عَنْكُمْ﴾ اور ﴿يُطَهِّرَكُمْ﴾ فرمانا بھی اس پر شاہد قوی ہے کہ اِس میں صرف ازواج ہی داخل نہیں، کچھ رجال بھی ہیں''۔ (معارف القرآن شفیعی ۷: ۱۴۰)

نکتہ: یہاں اُس لطیف اور نادر نکتے کا بیان خالی از فائدہ نہ ہوگا جس کی طرف حافظ ابن حجرؒ نے سیدہ خدیجہؓ کے تذکرے میں ایک دوسرے سیاق کے ذیل میں اِشارہ فرمایا ہے، فرماتے ہیں: اِن ذواتِ اَربعہ کو ''اَہل البیت'' میں شامل کرنے کا اَصل منشا یہ تھا کہ آپ ﷺ کی محبوب ترین زوجہ اور آپ کی اولین ''اَہلِ بیت'' سیدہ خدیجہؓ تھیں، تو جب آیتِ تطہیر کی یہ تبشیر نازل ہوئی تو آپ ﷺ کو بے ساختہ حضرتِ خدیجہؓ کی یاد آ گئی، اِدھر آپؐ کی اولاد اور یادگار میں سے صرف سیدہ فاطمہؓ بچی تھیں اور اُن کے ساتھ اُن کے دونوں صاحبزادگان (حضراتِ حسنینؓ) بھی تھے اور سیدنا حضرت علیؓ بھی درحقیقت سیدہ خدیجہؓ ہی کے پروردہ اور تربیت یافتہ تھے۔

اِس لیے آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے اِکرام، قدردانی اور محبت میں اُن کی جگہ نیابتاً اُن کی ذریت کو ''اہلِ بیت'' میں داخل فرمالیا۔

حافظ ابن حجرؒ کے الفاظ یہ ہیں: ومرجع أهل البيت هؤلاء إلى خديجة، لأن الحسنين من فاطمة، وفاطمة بنتها، وعلي نشأ في بيت خديجة وهو صغير، ثم تزوج بنتها بعدها، فظهر رجوع أهل البيت النبوي إلى خديجة دون غيرها۔

(فتح الباري: ۳۸۱۹)

ملحوظہ: چوں کہ بعض اَحادیث میں اَہل البیت کا اِطلاق - اَزواج سے قطعِ نظر- صرف اَولادِ رسول ﷺ پر بھی ہوا ہے، اِس لیے اہلِ علم کی ایک جماعت نے یہاں یہ تعبیر بھی اِختیار فرمائی ہے کہ أهل البيت کی دو قسمیں ہیں: اہلِ بیتِ قرآنی، واہلِ بیتِ حدیثی، چنانچہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ اِسی آیتِ تطہیر کی تفسیر میں (فائدہ نمبر ۱۹ کے تحت) فرماتے ہیں:

”......غرض ”اہلِ بیت“ کے دو مفہوم ہیں: ایک اَزواج، دوسرے عترت اور خصوصیتِ قرائن سے کسی مقام پر ایک مفہوم مراد ہوتا ہے، کہیں دوسرا اور کہیں عام بھی مراد ہوسکتا ہے، پس آیت میں ظاہراً مفہومِ اول مراد ہے اور مفہومِ ثالث (دونوں کو عام ہونا) بھی محتمل ہے اور حدیثِ ثقلین وحرمتِ صدقہ وحدیثِ عباء میں دوسرا مفہوم مراد ہے۔

پس اِس تحقیق کے بعد نہ آیت میں اِشکال ہے، نہ کسی حدیث میں، نہ باہم تعارض اور نہ اہلِ حق پر کسی کا کوئی شبہ وارِد ہے اور نہ اہلِ حق کو کسی جگہ تکلف وتاویل کی حاجت ہے“ اھ۔ (بیان القرآن)

پھر بعض محققین نے یہاں یہ نکتہ بھی پیدا فرمایا ہے کہ اگرچہ قرآنِ کریم میں وارِد ”أهل البيت“ کا اولین مصداق اَزواجِ مطہرات ہی تھیں، مگر چوں کہ دوسرے موقع پر ﴿وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾ [الأحزاب:٦] (اور آپ کی بیبیاں مسلمانوں کی مائیں ہیں) کے خطاب کی بنا پر اُن کے لیے ”اُمہات المؤمنین“ اور ”اَزواجِ مطہرات“ کا لقب مقدر اور معروف ہوگیا، اِس لیے اَب ”اہل البیت“

بول کر عموماً اَولادِ رسول اور ''ذواتِ اَربعہ رضی اللہ عنہم'' ہی مراد لی جاتی ہیں، ولا مشاحة في الاصطلاح۔

اہلِ بیت اور شیعہ:

مذکورہ بالا تفصیلات اور حقائق کے علی الرغم اور جمہور اہلِ اسلام کے مذہب کے برخلاف شیعوں کو اِصرار ہے کہ یہاں آیتِ تطہیر میں ''اہلِ بیت'' سے مراد صرف ''ذواتِ اَربعہ رضی اللہ عنہم'' ہی ہیں، اَزواجِ مطہراتؓ اُن میں شامل نہیں ہیں، مگر چوں کہ قرآنِ کریم میں موجود سیاق وسباق اور لغوی وعرفی قرائن کے ہوتے ہوئے اِس بے بنیاد دعوی کا ثبوت ممکن نہیں تھا، اِس لیے اپنے اِس دعوے کے اِثبات کے لیے شیعوں کو قرآن کے سلسلے میں اپنے اُس ''عقیدۂ تحریف'' کا مجبوراً اِظہار بھی کرنا پڑ گیا؛ ''تقیہ'' کے ذریعہ جس کی خاص پردہ داری کا اِہتمام کیا جاتا ہے، چنانچہ شیعوں کے مشہور مترجمِ قرآن سید فرمان علی (ت:۱۹۱۶ء) اپنی ''تفسیرِ قرآن'' میں آیتِ تطہیر سے متعلق لکھتے ہیں:

''...... اِس آیت کو درمیان سے نکال لو اور ما قبل و ما بعد کو ملا کر پڑھو، تو کوئی خرابی نہیں ہوتی، بلکہ ربط اور بڑھ جاتا ہے، جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت اِس مقام کی نہیں، بلکہ خواہ مخواہ کسی غرض سے داخل کر دی گئی ہے''۔

(کلام اللہ، ص: ۶۷۳، مطبوعہ نظامی پریس، لکھنؤ، ۱۹۳۷ء)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ مذکورہ بالا اقتباس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مترجم کی اِس عبارت سے دو باتیں واضح ہوئیں:

ایک یہ کہ اگر قرآن کریم صحیح ہے، برحق ہے اور تغیر وتبدل سے محفوظ ہے تو یہ آیتِ تطہیر

لامحالہ اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق میں ہے اور وہی قرآنی خطاب: ﴿أهــــل البيت﴾ کا مصداق ہیں۔

دوم یہ کہ مترجم اور اُن کے ہم عقیدہ لوگوں کے نزدیک قرآنِ کریم تحریف شدہ ہے، اِس میں کسی خاص غرض کی وجہ سے تغیر وتبدل کر دیا گیا ہے، نعوذ بالله، أستغفر الله۔

مولانا لدھیانویؒ مزید فرماتے ہیں: مترجم کی بدقسمتی سے قرآنِ کریم میں دوسری جگہ بھی ﴿أهــل البيــت﴾ کا خطاب نبی کی بیوی کے لیے ہی اِستعمال ہوا ہے، سورۂ ہود آیت (۷۳) میں حضرت اِبراہیم علیہ السلام کی اہلیہ مقدسہ کے ساتھ فرشتوں کا مکالمہ مذکور ہے، جس میں فرشتوں نے اُن کو ﴿أهل البيت﴾ کے لفظ سے خطاب کیا: ﴿قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ﴾ [ہود: ۷۳] (فرشتے بولے: کیا تم تعجب کر رہی ہو خدا کے کاموں سے؟ اللہ کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں تم پر، اے گھر والو! یقیناً اللہ تعالیٰ سزاوارِ تعریف اور بزرگوار ہے)۔

چوں کہ اِس آیتِ کریمہ میں نبی کی بیوی کو فرشتوں نے ﴿أهــل البيــت﴾ کے لفظ سے خطاب کیا ہے، جس سے ہر قاریٔ قرآن کا ذہن فوراً اِس طرف منتقل ہوگا کہ نبی کی بیوی بھی اس کے "اہلِ بیت" میں شامل ہیں اور یہ کہ جب حضرت اِبراہیم علیہ السلام کی زوجۂ مطہرہ اُن کے "اہلِ بیت" میں شامل ہیں، جس کی گواہی اللہ تعالیٰ کے مقدس فرشتے دے رہے ہیں، تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن آپ ﷺ کے "اہلِ بیت" میں کیوں نہ شامل ہوں گی؟

آیتِ شریفہ کا یہ مفہوم اور یہ نتیجہ ایسا کھلا ہوا اور بدیہی ہے کہ کسی معمولی عقل وفہم کے آدمی کو بھی اِس کے سمجھنے میں دشواری پیش نہیں آسکتی اور نہ اِس میں کسی اَدنیٰ تاویل کی گنجائش ہے، سوائے اِس کے کہ یہ کہا جائے کہ نعوذ باللہ قرآن کریم کی یہ آیت ہی غلط ہے،

چنانچہ مترجم نے اہلِ بیتِ نبی کریم ﷺ کی عداوت سے مجبور ہو کر یہی راستہ اِختیار کیا ہے، مترجم صاحب (سید فرمان علی) لکھتے ہیں:

''اِس مقام پر یہ شبہ نہ ہو کہ حضرت اِبراہیم علیہ السلام کی بیوی کو خدا نے ''اہلِ بیت'' میں داخل کیا ہے؛ کیوں کہ اِس سے قبل کی آیت میں (نہیں، بلکہ اِسی آیت کے پہلے جملے میں۔ناقل) جتنا خطاب حضرت سارہ کی طرف ہے، واحد مؤنث کے صیغے میں ہے۔اور اِس آیت میں ضمیر ''کُم'' جمع مذکر حاضر کی ہے، اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اِس کے مخاطب کچھ اور لوگ ہیں اور یہ آیت یہاں خواہ مخواہ داخل کر دی گئی ہے''۔

(کلام اللہ، ص: ۳۶۵)

گویا مصنف کو صاف صاف اِقرار ہے کہ اگر قرآنِ کریم صحیح ہے اور ہر قسم کی غلطی اور تحریف سے پاک ہے، تو اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کی نصِ قطعی کی رو سے اَزواجِ نبی بغیر کسی شک وشبہ کے ''اہلِ بیت'' میں شامل ہیں اور اگر اِس عقیدے کو تسلیم نہ کیا جائے تو اِس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ قرآنِ کریم کو غلط کہا جائے (نعوذ باللہ من الکفر والشقاق)۔

موصوف کی عبارت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ وہ جس مسلک کے نقیب اور ترجمان ہیں وہ ڈنکے کی چوٹ پر قرآنِ کریم کو غلط اور تحریف شدہ قرار دیتا ہے، وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص قرآنِ کریم پر اِیمان رکھتا ہو اُسے یہ بھی اِیمان رکھنا ہوگا کہ اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ''اہلِ بیت'' میں شامل ہیں، قرآنِ کریم نے اُن ہی کو ''اہلِ بیت'' کا نام دیا ہے'' اھ۔

(شیعہ سنی اِختلاف اور صراطِ مستقیم، ص: ۴۸۷—۴۹۰، اَز: حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ)

فصلِ سوم

تطہیر کا مفہوم، تطہیر اور عصمت میں فرق، معصوم کون ہوسکتا ہے؟

تطہیر کا مفہوم

اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک آیتِ تطہیر میں مذکور ''اِذہابِ رجس'' اور ''تطہیر'' سے وہ تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب مراد ہے جو تہذیبِ باطن کا اعلیٰ ترین مقام ہوتا ہے، جو اولیائے کاملین اور صدیقین کو حاصل ہوتا ہے، جس کے حصول کے بعد وہ عملاً گناہوں سے محفوظ اور محترز ہوجاتے ہیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

الرجس في الأصل: الشيء القذر، أريد به ههنا الذنوب والمعاصي.

والمراد بالتطهير: التطهير التشريعي، أعني الاعتناء التام ببيان أحكام تُناسب شأن أهل البيت، ليتحلوا بالتقوى. كما في "الروح" (۱۱/۱۹۳).

والمعنى على ما قيل: إنما يريد الله ليذهب عنكم الذنوب والمعاصي فيما نهاكم، ويُحلِّيكم بالتقوى تحليةً بليغةً فيما أمركم.

(أحكام القرآن شفيعي: ۳/ ۳۲٦)

(ترجمہ: رِجس: اصل میں گندگی کو کہتے ہیں، یہاں ذنوب اور معاصی (کی

گندگیاں) مراد ہیں اور تطہیر سے تطہیرِ تشریعی مراد ہے، یعنی اہتمام کے ساتھ ایسے احکام کا بیان کرنا جو اہلِ بیت کے شایانِ شان ہیں، تاکہ وہ (اُن پر عمل کے ذریعہ) صفتِ تقوی سے آراستہ ہوسکیں، جیسا کہ ''روح المعانی'' میں ہے۔

مراد آیت کی یہ ہے کہ جن باتوں سے اللہ تعالی نے تم اہل بیت کو منع فرمایا ہے، اُن گناہوں اور معصیتوں کو اللہ تعالی (اپنی توفیقِ خاص کے ذریعہ) تم سے دور کردے، اور جن باتوں کا حکم دیا ہے (اُن پر عمل کی توفیق کے ذریعہ) تمھیں اعلیٰ درجہ کے تقویٰ سے آراستہ وپیراستہ فرمادے) اھ۔

امام رازیؒ سورۂ مائدہ کی آیت: ﴿وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ کے تحت فرماتے ہیں:

الوجه الثاني في تفسير هذا التطهير: أن يكون المراد منه طهارةَ القلب عن صفة التمرُّد عن طاعة الله تعالىٰ، وذلك لأن الكفر والمعاصي نجاسة للأرواح، فإن النجاسة إنما كانت نجاسةً لأنها شيء يراد نفيُه وإزالتُه وتبعيدُه، والكفر والمعاصي كذلك، فكانت نجاساتٍ روحانيةً، وكما أن إزالة النجاسات الجسمانية تُسمى طهارةً، فكذلك إزالة هذه العقائد الفاسدة والأخلاق الباطنة تسمى طهارةً، ولهذا التأويل قال الله تعالىٰ: ﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ﴾ [التوبة: ٢٨]، فجعلَ رأيهم نجاسةً، وقال: ﴿إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ [الأحزاب: ٣٣]۔ فجعل براءتَهم عن المعاصي طهارةً لهم ....۔

فهذا هو الوجه الصحيح في تسمية هذه الأعمال طهارةً ...... إلخ۔
(تفسیر رازی، المائدۃ: ٦)

(ترجمہ: اِس تطہیر کی مراد میں دوسری تفسیر یہ ہے کہ اِس سے قلب کو طاعتِ خداوندی سے سرکشی کی صفت سے پاک وصاف کرنا مراد ہے، اِس لیے کہ کفر ومعاصی روح کے لیے گندگی اور نجاست ہیں، کیوں کہ نجاست اسی کو کہتے ہیں جس کو خود سے دور کیا، ہٹایا اور صاف کیا جاتا ہے اور کفر ومعاصی کا بھی یہی حال ہے، لہٰذا وہ روحانی نجاست ٹھہرے۔

پھر جس طرح جسمانی گندگی کے اِزالے کو طہارت کہا جاتا ہے، اِسی طرح اِن فاسد عقائد اور باطنی رذائل کی صفائی کو بھی طہارت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اِسی تناظر میں قرآن کریم میں مشرکین اور اُن کے عقیدے کو ناپاک کہا گیا ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ﴾ [التوبۃ: ٢٨]۔ اور جو اللہ تعالیٰ نے اہلِ بیتِ رسول کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْراً﴾ [الأحزاب: ٣٣]، تو یہاں بھی گناہ ومعاصی سے اُن کی براءت کو طہارت قرار دیا ہے۔

اور آیت میں مذکور اَعمال کو ''طہارۃ'' سے تعبیر کرنے کی تفسیر میں یہی وجہ صحیح ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک اِس آیت میں ''اِذہابِ رِجس'' سے معصوم بنانا اور عصمت عطا کرنا مراد نہیں؛ بلکہ اِزالۂ معاصی اور اِبعادِ نقائص مراد ہے، جس کو تزکیۂ نفس اور تخلیہ وتجلیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ''تطہیر'' سے تحلیۂ باطن اور تنویرِ قلب مراد ہے۔ (معارف القرآن اِدریسی ٦/٢٦٩)

تطہیر اور عصمت میں فرق:

تطہیر کے معنی کا حاصل تو جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ جس جگہ پر گندگی لگ گئی ہو، یا لگنے کا اِمکان ہو، اُس کو دھو کر پاک وصاف کرنے کا نام ''تطہیر'' ہے۔

جب کہ ''عصمت'' کے لغوی معنی ہیں ''منع'' (روکنا، بچانا) اور اِس کی اِصطلاحی تعریف ''عقائد'' کی کتابوں میں مختلف الفاظ میں کی گئی ہے، جن کا حاصل ہے: منجانب اللہ گناہوں سے اِس طرح روک دیا جانا کہ قدرت کے باوجود عملی طور پر گناہ کے صدور کا اِمکان ہی باقی نہ رہ جائے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ''عصمت'' کی تعریف میں صاحبِ ''شرح المواقف'' کے حوالے سے ایک طویل اِقتباس نقل فرمایا ہے، جس کے اہم مندرجات یہ ہیں:

> هي عندنا: أن لا يخلق الله تعالىٰ فيهم ذنباً. وعند الحكماء: ملكة تمنع عن الفجور، وتحصل ابتداءً بالعلم بمثالب المعاصي ومناقب الطاعات، فإنه الزاجر عن المعصية، والداعي إلى الطاعة، وتترسخ هذه الصفة فيهم بتتابع الوحي إليهم بالأوامر والنواهي۔ وقال قوم: هي تكون خاصيةً في نفس الشخص، أو في بدنه، يمتنع بسببها صدور الذنب عنه.
>
> ويكذب هذا القولَ أنه لو كان صدور الذنب ممتنعاً لما استحق المدح بذلك، إذ لا مدح ولا ثواب بترك ما هو ممتنع، لأنه ليس مقدوراً داخلاً تحت الاختيار، وأيضاً فالإجماع منعقد على أنهم مكلفون بترك الذنوب مثابون به ...... إلخ۔ (أحكام القرآن شفيعي ۳: ۳۳۲)

یہی بات قاضی عبد النبی احمد نگریؒ نے بھی اپنی کتاب ''جامع العلوم'' میں مزید وضاحت کے ساتھ فرمائی ہے۔(۱)

مذکورہ عبارات کا حاصل یہ ہوا کہ عصمت: اللہ کی طرف سے عطا کردہ اُس ملکہ، یا روحانی قوت کا نام ہے جو صاحبِ عصمت کو گناہوں اور نافرمانی سے اِس طرح روک دیتی ہے کہ عملی طور پر اُس سے گناہ کے صدور کا اِمکان ہی باقی نہیں رہ جاتا۔

پھر اِس میں جمہور کی تعبیر تو یہ ہے کہ اُس کے اندر گناہ کا مادہ خلقی طور پر تو ہوتا ہے، مگر تکوینی طور پر یہ طے کردیا جاتا ہے کہ (مادہ ہونے کے باوجود) اس سے گناہ کا صدور نہیں ہونا ہے۔ جب کہ بعض دیگر حضرات نے یہ تعبیر اِختیار کی کہ اُس کے اندر گناہ کا مادہ ہوتا ہی نہیں، لہٰذا خِلقۃً اُس سے گناہ کا صدور ممتنع اور ناممکن ہوتا ہے۔

---

(۱) اُن کے الفاظ یہ ہیں:

العصمة: ملكةُ اجتناب المعاصي مع التمكن منها.

وبعبارة أخرى: قوة من الله تعالىٰ في عبده تَمنعه عن ارتكاب شيء من المعاصي والمكروهات؛ مع بقاء الاختيار.

وقد يعبر عن تلك الملكة بلطف من الله تعالى يحمله على الخير، ويزجره عن الشر؛ مع بقاء الاختيار: تحقيقاً للابتلاء والامتحان. ولهذا قال الشيخ أبو المنصور رحمه الله تعالى: العصمة لا تزيل المحنة والتكليف۔

وبهذا يظهر فساد من قال: "إن العصمة خاصية في نفس ناطقة لشخص، أو في بدنه؛ يمتنع بسببها صدورُ الذنب عنه"، كيف! ولو كان الذنب ممتنعاً لمَا صح تكليفه بترك الذنب، ولمَا كان مثاباً عليه. هكذا في "شرح العقائد" للعلامة التفتازاني رحمه الله تعالى.

ومن قال: "إن حقيقة العصمة: عدم خلق الله تعالى في العبد الذنبَ مع بقاء قدرته واختياره" غرضُه: مآلها وغايتها ذلك. لأن حقيقة العصمة هى تلك الملكة لا غير، فافهم۔

(جامع العلوم في اصطلاحات الفنون، ص: ۲۳۳. ج۲)

اِن دونوں قول میں بظاہر تعارض نظر آرہا ہے، مگر مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے؛ بلکہ پہلی تعبیر انبیاء کی عصمت پر صادق آرہی ہے اور دوسری تعبیر ملائکہ کی عصمت پر منطبق ہورہی ہے، اِس لیے کسی بھی قول کو رد کرنے کی ضرورت نہیں، مفتی صاحبؒ کے الفاظ یہ ہیں:

ولا يَبعد أن يكون للعصمة معنيان باعتبار القسمين من المعصومين: أعني الأنبياء والملائكة:

فالأنبياء عليهم -صلوات الله وسلامه- معصومون عصمة بالمعنى الأول، أعني عدم خلق الله تعالىٰ فيهم ذنباً ومعصيةً؛ مع تكامل مادة البشرية المقتضية للشهوات والذنوب، وذلك باصطفائه تبارك وتعالىٰ إياهم لنفسه، وإخلاصه إياهم بخالصة ذكرى الدار۔

والملائكة عليهم السلام معصومون بالمعنى الثاني، أعني عدم خلق مادة البشرية الداعية إلى الذنوب فيهم، وخَلَقَهم بحيث يمتنع صدور الذنب عنهم ...... إلخ۔(أحكام القرآن شفيعي ٣/٣٣٣)

پوری بحث کا ماحصل یہ نکلا کہ ''تطہیر'' کی صورت میں رِجس (گندگی) کے صدور کا اِحتمال باقی رہتا ہے، جب کہ ''عصمت'' کی صورت میں یہ اِمکان بالکلیہ معدوم ہوجاتا ہے، لہٰذا لفظِ ''تطہیر'' کے اِستعمال کا موقع تو وہ ہوگا جہاں رِجس (گندگی) کا اِحتمال ہو اور ''عصمت'' کا لفظ وہاں بولا جائے گا جہاں رجس اور معصیت کا اِحتمال ہی نہ ہو۔

تطہیر کی دو قسمیں:

''تطہیر'' اور ''عصمت'' کے اِسی اصطلاحی فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ''تطہیر'' کی دو قسمیں قرار دی ہیں: تشریعی، تکوینی۔(بیان القرآن)

تشریعی کا مطلب یہ ہے کہ اَوامر ونواہی کو اِس طرح اہتمام سے بیان کردیا جائے کہ اُس سے عمل کی رغبت پیدا ہوجائے اور وہ بشرطِ عمل طہارتِ روحانیہ کا ذریعہ بن جائے، جیسا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿وَلٰكِنْ يُرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ، لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ [المائدۃ:٦]۔

اور تکوینی تطہیر (جو عصمت کے ہم معنی ہے، اُس) کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کا صدور نہ ہونا من جانب اللہ طے کردیا جائے (خواہ خلقتاً اور عملاً دونوں طرح، جیسے فرشتوں کی عصمت، خواہ صرف عملاً، نہ کہ خلقۃً، جیسے انبیاء کی عصمت)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اِس سلسلے میں حضرت تھانویؒ کے اِفادات کا خلاصہ اپنے الفاظ میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

قال شيخنا أشرف المشايخ في "بيان القرآن" ما حاصله: أن التطهير على نوعين: تشريعي وتكويني:

فالأول هو بيان الأوامر والنواهي، وشدة الاعتناء بها، لتهذيب النفوس وتطهيرها عن المعاصي بشرط العمل بها.

والثاني هو أن لا يَخلق الله تعالىٰ فيهم ذنباً بخلقه وإرادته، مِن دون دخلٍ فيه لعمل العباد.

والعصمة في الاصطلاح لا يقال إلا على الثاني فقط، دون الأول، فإن الأول لا تختص به الأنبياء عليهم السلام، كما لا يخفى.

ثم إذا أمعنتَ النظر في نظم القرآن وقول الله عز وجل: ﴿إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْراً﴾، أيقنتَ أن المراد فيه التطهير التشريعي، لا التكويني، وإلا فلا معنى لقوله تعالى: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ﴾ بصيغة المضارع، بل

كـان حـق الـمـقام أن يقال: "أذهـب الله عنكـم الرجس"، ليكون خبراً عن قوله تعالى، كما لا يخفى على متأمل۔ انتهى۔

(أحكام القرآن شفيعي ۳/۳۳۷)

ترجمہ: ہمارے شیخ اشرف المشائخ (حضرت تھانویؒ) ''بیان القرآن'' میں فرماتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ تطہیر کی دو قسمیں ہیں: تشریعی، تکوینی:

اول (تشریعی) سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اَوامر ونواہی بیان کردیئے جائیں اور اُن کی خاص تاکید کردی جائے، پھر یہ بتلا دیا جائے کہ جو اِن تعلیمات پر عمل کرے گا اُس کو گناہوں سے پاک وصاف کردیا جائے گا۔

اور ثانی (تکوینی) سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی بندوں کے عمل دخل کے بغیر اَز خود اپنے ہی قصد واختیار سے اُن کے لیے گناہ کا موقع نہ آنے دیں۔

تو اِصطلاح میں ''عصمت'' کا اِطلاق صرف ''تطہیر'' کی قسم ثانی پر کیا جاتا ہے، اول پر نہیں، کیوں کہ اول: اَنبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

اِن تفصیلات کی روشنی میں جب تم قرآن کے سیاق وسباق اور آیتِ تطہیر کے مضمون میں غور کروگے تو تمھیں سمجھ میں آجائے گا کہ یہاں بھی ''تطہیرِ تشریعی'' (قسمِ اول) مراد ہے، ''تکوینی'' (قسمِ ثانی) نہیں، ورنہ تو اِرشادِ ربانی: ﴿یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ﴾ فعل مضارع کے ساتھ لانے کے کوئی معنیٰ نہیں بنتے، بلکہ پھر موقع کا تقاضا یہ ہوتا کہ ''أذہب اللّٰہ عنکم الرجس'' فعل ماضی کے ساتھ لایا جاتا، تاکہ یہ قول گذشتہ سے حاصل شدہ ''تطہیر'' (اور عصمت) کی خبر بنتا، جیسا کہ تأمل سے کام لینے والے پر مخفی نہیں] اھ۔

پوری بحث کا حاصل یہ ہوا کہ ''تطہیر'' کی صورت میں ممکنہ گندگی کا اِحتمال معدوم نہیں

ہوتا، جب کہ ''عصمت'': ''رِجس'' سے بالکلیہ براءت اور گناہ کے عدمِ صدور کو مستلزم ہوتی ہے۔

معصوم کون ہوسکتا ہے؟

اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک اِصطلاحی معنی میں ''عصمت'' کا ثبوت صرف ملائکہ اور انبیاء کے لیے ہے:

(۱) ملائکہ کی عصمت: فرشتوں کے اندر عصمت اِس طور پر ہوتی ہے کہ اُن کے اندر نافرمانی کا مادہ رکھا ہی نہیں جاتا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے: ﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ [التحریم:۶] (وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اُس بات میں جس کا وہ اُن کو حکم کرتا ہے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا اُن کو حکم دیا جاتا ہے)۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ، لَا يَسْبِقُوْنَهُ بِالْقَوْلِ، وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُوْنَ﴾ [الأنبیاء:۲۶-۲۷] (بل کہ وہ معزز بندے ہیں، اُس سے آگے بڑھ کر بولتے نہیں اور وہ صرف اُسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں)۔

ایک اور جگہ اِرشاد ہے: ﴿وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ، يُسَبِّحُوْنَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ﴾ [الأنبیاء:۱۹-۲۰] (اور جو اُس کے پاس رہتے ہیں وہ اُس کی عبادت سے سرکشی نہیں کرتے اور نہ ہی کاہلی کرتے ہیں، رات دن تسبیح بیان کیا کرتے ہیں، سست نہیں پڑتے)۔

(۲) انبیاء کی عصمت: اور انبیاء کے اندر عصمت اِس طور پر ہوتی ہے کہ خِلقۃً تو اُن میں گناہ کا مادہ رکھا جاتا ہے، مگر عملاً اُن سے گناہ صادر نہ ہونا طے کردیا جاتا ہے، جیسا کہ ﴿وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ﴾ [صٓ: ۴۷] (اور بے شک وہ سب – مذکورہ اَنبیاء – ہمارے نزدیک بالیقین منتخب اور نیک لوگوں میں سے ہیں) اور

﴿...... وَلأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلاَّ عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ، قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ، إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ...... الآية﴾ [الحجر:۳۹-۴۲]

(-شیطان نے کہا-: میں اُن سب کو گم راہ کروں گا؛ سوائے تیرے چنے ہوئے -منتخب- بندوں کے،-اللہ نے -فرمایا: یہ راہ ہے مجھ تک سیدھی، یقیناً میرے خاص بندے تیرا اُن پر کچھ قابو نہیں ہوگا ......) جیسی بہت سی نصوص سے انبیاء کی عصمت کا عقیدہ قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے اور یہ اہل السنۃ والجماعۃ کے اِیمانیات کا حصہ بھی ہے۔

اور اُن کی عصمت کی حکمت یہ ہے کہ ایک تو وہ اللہ کے پیغام بر اور اُس کے رسول ہوتے ہیں، اِس لیے اُن کے ہاں کسی قسم کی دینی اور اَخلاقی کمزوری کا پایا جانا اُن کے اِعتبار کو مجروح اور حیثیت کو مشکوک کردے گا۔

دوسرے اِس لیے بھی اُن کو ''معصوم'' رکھا جاتا ہے تاکہ وہ بشر ہوکر دوسرے اِنسانوں کے لیے اُسوہ اور نمونہ بن سکیں، اُن کی صفات اور کردار کو لوگوں پر حجت قرار دیا جاسکے اور اُن کی ذات کو علی الاطلاق واجب الطاعۃ ٹھہرایا جاسکے، پس اگر اُن سے گناہوں کے صدور کا اِحتمال باقی رہے تو وہ علی الاطلاق اُسوہ اور نمونہ کیوں کر قرار دیئے جاسکیں گے؟!۔

پھر بعض محققین نے نوعیتِ عصمت سے متعلق مزید کچھ تفصیل بھی کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں چار اَبواب ہیں: عقائد۔ رسالت وتبلیغ۔ فتوی وبیانِ اَحکام۔ ذاتی اَفعال واَحوال:

اول دو قسموں میں تو انبیاء کے ہاں کسی قسم کی ادنیٰ کمزوری اور غلطی کا کوئی تصور بھی نہیں پایا جاتا، تیسری قسم میں اجتہادی غلطی کا اِمکان ہوتا ہے، مگر اُس غلطی پر اُن کو باقی نہیں رکھا جاتا، فوراً ہی وحی الٰہی کے ذریعہ اُن کو تنبیہ اور تصحیح کرادی جاتی ہے۔

اور چوتھی قسم (ذاتی اَفعال واَحوال) میں اصح قول کے مطابق تفصیل یہ ہے کہ اُن سے کبیرہ گناہوں کے صدور کا اِمکان تو ہوتا نہیں، اِسی طرح ایسے خسیس گناہوں اور دَنیء

حرکات کا بھی صدور نہیں ہوتا جو معاشرے میں ذلت، رسوائی اور بدنامی کا سبب بنیں، ہاں نبوت سے قبل سہواً کسی عام غلطی کا صدور، یا نبوت کے بعد اِتفاقاً کسی صغیرہ کا صدور خارج اَز اِمکان اور منافیٔ عصمت نہیں؛ اگرچہ وقوع اِس کا بھی نہ ہو۔

(ملخص از: تفسیر رازی ۳/۴۵۵ [البقرة:۳۶]، وشرح المواقف ۳/۲۵۴، وأحکام القرآن شفیعی ۳/۳۳۵)

کیا اَولیاء اور ائمہ بھی معصوم ہوتے ہیں؟

چوں کہ اِصطلاحی اِعتبار سے ''عصمت'' کے اندر گناہ کے صدور کے اِمکان کا نہ ہونا ملحوظ اور معیّن ہوتا ہے، اِس لیے کسی اِنسان سے قطعی طور پر گناہ کے اِمکان کی نفی کرنا؛ یہ شرعی لحاظ سے بغیر کسی یقینی دلیل کے ممکن نہیں۔

بنابریں اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک اِنسانوں میں انبیاء کے علاوہ کسی اور کے لیے ''عصمت'' کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا، ہاں کسی فرد اور شخصیت کے لیے اللہ کے فضلِ خاص سے گناہوں سے خصوصی حفاظت کا انتظام ہو جانا؛ کچھ مستبعد نہیں۔

قاضی عبد النبیؒ فرماتے ہیں:

والأنبياء معصومون، والأولياء محفوظون، قيل: الفرق بينهما: أن للأنبياء والأولياء قدرةً واختياراً على الذنب، لكن الأنبياء إذا أرادوا الذنب لا يخلق الله تعالىٰ الذنب، والأولياء لو أرادوا الذنب لَخلَقه الله تعالى، لكنهم لا يريدون الذنب.

(جامع العلوم في اصطلاحات الفنون، ج:۲ ص:۲۳٤)۔

(ترجمہ: انبیاء ''معصوم'' ہوتے ہیں اور اولیاء ''محفوظ''، ایک قول کے مطابق اِس فرق کی تشریح یہ ہے کہ خِلقی طور سے گناہ پر قدرت اور اِختیار تو دونوں ہی کو ہوتا ہے، مگر اَنبیاء کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ اگر بالفرض وہ گناہ کرنا بھی چاہیں تو

منجانب اللہ اُنھیں اِس کا موقع نہیں دیا جاتا، اِس کے برعکس اولیاء اگر گناہ کرنا چاہیں تو موقع فراہم کیا جاسکتا ہے، مگر (اُن میں سے جو محفوظ ہوتے ہیں) وہ بفضلہٖ تعالیٰ اِرادہ کرتے نہیں)۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں:

الأنبياء معصومون، والأولياء محفوظون غالباً۔

[تفسير مظهرى ١٠: ٩٧، الجن: ٢٧]

(انبیاء تو معصوم ہوتے ہیں مطلقاً اور اولیاء محفوظ ہوتے ہیں غالبًا)۔

علامہ آلوسی بغدادیؒ فرماتے ہیں:

وقد قيل: الأولياء محفوظون، وفسر بعدم صدور الذنب مع إمكانه، والقيد لإخراج العصمة۔ [روح المعاني ٦: ١٠٦، يونس: ٦٤]

(......درانحالیکہ کہا گیا ہے کہ اولیاء محفوظ ہوتے ہیں اور اِس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اِمکانِ معصیت کے باوجود عملاً اُن سے گناہ ہوتا نہیں ہے اور اِمکان کی قید عصمت سے اِمتیاز کے لیے لگائی گئی ہے- اِس لیے کہ عصمت کی صورت میں معصیت کا اِمکان بھی نہیں رہ جاتا-)۔

احقر عرض کرتا ہے کہ ''عصمتِ انبیاء'' اور ''حفاظتِ اولیاء'' کے بارے میں محققین کی تحقیقات اور علماء کے اَقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(ا) اَنبیاء کی حفاظت تو اِس درجہ کی جاتی ہے کہ وہ چاہ کر بھی گناہ نہیں کر سکتے، حفاظت کے اِسی خاص مرتبہ کو ''عصمت'' سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

اِس کے برخلاف اَولیاء کی حفاظت صرف اِسی قدر ہوتی ہے کہ بتوفیقہٖ تعالیٰ وہ گناہ کرنا چاہتے نہیں، لیکن اَگر کسی ''ولی صفت'' بندہ نے کسی وقت گناہ کے اِرادے تک کا قدم اُٹھالیا تو بعض وقت اُس سے وہ حفاظت ہٹالی جاتی ہے اور -نعوذ باللہ- وہ مبتلائے معصیت ہو ہی

جاتا ہے، مگر جس پر اللہ تعالیٰ خاص فضل فرمانا چاہتے ہیں تو اُس کی نوبت یہاں تک آنے نہیں دیتے، بلکہ پہلے ہی اُس کے قدم روک دیتے ہیں: ﴿وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء﴾۔

(۲) اَنبیاء کی ''عصمت'' کا ثبوت شریعت کے قطعی دلائل سے ہے۔ اِس کے بر خلاف اولیاء کی ''حفاظت'' کا ثبوت کسی قطعی دلیل سے نہیں ہے، بلکہ صرف عملاً مشاہد ہے اور ظن پر مبنی ہے۔

(۳) کسی نبی سے نبوت کے بعد کبائر کے صدور کا بالکل اِمکان نہیں ہوتا اور ایک قول کے مطابق صغائر کا بھی اِمکان نہیں ہوتا۔ اِس کے برخلاف ولی سے صغائر کا (بلکہ بعضے کبائر کا بھی اِتفاقی طور پر) صدور کا اِمکان باقی رہتا ہے، اگرچہ ''حفاظت'' کی بنا پر عام طور پر ایسا ہوتا نہیں۔

(۴) شرعی دلائل کی روشنی میں جس کو نبی تسلیم کرلیا گیا تو اُس کا معصوم ہونا خود بخود متعین ہوگیا۔ اِس کے برخلاف شرعی قرائن وعلامات ہی کی روشنی میں جس کو ولی تسلیم کیا گیا ہے؛ ضروری نہیں ہے کہ وہ حقیقت میں بھی گناہوں سے محفوظ ہی ہو، ہاں حسنِ ظن یہی رکھنا چاہیے کہ وہ ایسا ہی ہوگا۔

(۵) چوں کہ انبیاء کی عصمت قطعی ہے، اِس لیے اُن پر اِیمان لانا، اُن کی نبوت کی تصدیق کرنا اور اُن کو معصوم مانتے ہوئے اُن کی دعوت کو قبول کرنا بھی فرض ہوجاتا ہے اور اُن کا منکر، یا متردد کافر ہوجاتا ہے۔

اِس کے برخلاف اَولیاء کی حفاظت قطعی چیز نہیں ہے، اِسی لیے کسی شخص سے ولایت کا اِنکار، یا ولی تسلیم کرنے کے باوجود اُس کی طرف کسی معصیت کا اِنتساب کفر بھی نہیں ہے۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو یہاں یہ بھی سمجھ لینا ضروری ہے کہ شریعت کی اصطلاح میں اَنبیاء ورُسل کے علاوہ تمام صدیقین، صالحین اور ائمۂ ربانیین کا شمار بلحاظِ فرقِ مراتب

''اولیاء'' ہی کی صف میں ہوتا ہے، اِس لیے اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک اِن میں سے کسی کے لیے بھی ''عصمت'' کا عقیدہ رکھنا غلو فی الدین اور ایسی بدعت وضلالت ہے جو مفضی الی الکفر ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ: ابن المطہر الحلّی الشیعی کے دعویٔ عصمتِ ائمہ کو رد کرتے ہوئے، اپنے ایک نہایت طول طویل کلام کے درمیان میں فرماتے ہیں:

''عصمت کا دعویٰ کرنا گویا نبوت کا دعوی کرنا ہے، اِس لیے کہ جو ذات معصوم ہو اُس کے ہر قول کو ماننا واجب ہے، کسی بات میں بھی مخالفت جائز نہیں اور یہ صرف انبیاء کا خاصہ ہے، اِسی لیے ہم کو تمام انبیاء پر نازل شدہ کتابوں اور وحی پر اِیمان لانے کا حکم دیا گیا ہے ......، اِس بات پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ہر ہر نبی پر اِیمان لانا واجب ہے، جو شخص کسی ایک نبی برحق کا بھی اِنکار کرے تو وہ کافر ہے اور جو شخص کسی بھی سچے نبی کی شان میں گستاخی کرے وہ واجب القتل ہے۔

اور یہ مرتبہ انبیاء کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں؛ چاہے اُن کو ولی کہا جاتا ہو، چاہے اِمام، خواہ وہ حکیم ہو، خواہ عالم، یا کچھ اور۔

لہٰذا جو شخص رسول کے علاوہ کسی شخص کو ایسا معصوم قرار دیتا ہے جو اپنی ہر بات میں واجب الطاعۃ بھی ہو، تو گویا وہ اُس کو بالفاظِ دیگر نبی کہہ رہا ہے اور اُس کا یہ قول اور دعوی دین کے معتبر دلائل: کتاب وسنت اور اِجماعِ سلف واتفاقِ ائمہ کے خلاف ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں: ﴿أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ، فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ؛ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ [النساء:٥٩] (ترجمہ: تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اہلِ حکومت ہیں اُن کا بھی، پھر اگر کسی اَمر میں تم باہم اِختلاف کرنے لگو تو اس اَمر کو اللہ و رسول کی طرف حوالے کرلیا کرو؛ اگر تم اللہ پر اور یومِ قیامت پر اِیمان رکھتے ہو)۔

لہٰذا جو شخص رسول کے علاوہ کسی کو معصوم قرار دے رہا ہے تو وہ یقیناً اِختلافی مسائل میں اُس کو حرفِ آخر تسلیم کر رہا ہے اور یہ مان رہا ہے کہ یہ شخص بھی رسول ہی کی طرح ایسا ہے کہ اِس سے غلطی نہیں ہوسکتی۔ حالاں کہ یہ بات قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے۔

اِسی طرح معصوم کی اطاعت مطلقاً واجب ہوتی ہے، اُس کا مخالف اور منکر مستحقِ وعید ہوتا ہے اور قرآن نے یہ مرتبہ صرف رسول کے لیے ثابت کیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ......﴾ [النساء:٦٩] (ترجمہ: اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی اُن حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے اِنعام فرمایا...... الخ)، وقال: ﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا﴾ [الجن:٢٣] (ترجمہ: اور جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کا کہنا نہیں مانتے تو یقیناً ان لوگوں کے لیے آتشِ دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے)۔

پھر قرآن نے مختلف مواقع پر یہ وضاحت بھی کی ہے کہ جو شخص رسول کی اطاعت کرے گا وہ سعادت مند ٹھہرے گا اور جو نافرمانی کرے گا وہ شقی اور بد بخت ہوگا، کہیں یہ قید نہیں لگائی ہے کہ اِس سعادت کے حصول کے لیے کسی اور معصوم کی بھی اِطاعت ضروری ہوگی، یا کسی اور کی نافرمانی سے بھی مستحقِ وعید ہو جائے گا۔

اور آپ ہی کی وہ ذات ہے جس کے بارے میں قیامت کے دن لوگوں سے سوال کیا جائے گا کہ تمہارے پاس رسول آئے تھے یا نہیں؟ اِماموں اور بزرگوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَلَنَسْاَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْاَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ [الأعراف:٦] (ترجمہ: پھر ہم اُن لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے تھے اور ہم پیغمبروں سے ضرور پوچھیں گے)۔

اور آپ ہی کی وہ ذات ہے جس کے ذریعے قبروں میں لوگوں کا امتحان لیا جائے گا، کہ یہ کون ہیں؟ وہاں بھی کوئی اِمام اور ولی نہیں پیش کیا جائے گا اور کسی اور کا نام لینے سے کام بھی نہیں چلے گا'' انتہی کلام الشیخ ابن تیمیہؒ ملخصاً بمرادہ۔

(منہاج السنۃ النبویۃ ۶:۱۸۹-۱۹۱)

اِس تفصیلی بیان سے بحمد اللہ یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ اِنسانوں میں انبیاء کے علاوہ کسی اور کے بارے میں ''معصوم'' ہونے کا عقیدہ نہیں رکھا جا سکتا۔

حضورِ اقدس ﷺ کی اَزواج اور آپ کی اولاد کا مقام ومرتبہ عام اَولیاء وصالحین سے یقیناً بڑھا ہوا ہے، اِس لیے کہ اُن کو دنیا میں بھی آپ کی خصوصی نسبت حاصل رہی اور اِرشادِ ربانی: ﴿وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيْمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ [الطور:۲۱] (ترجمہ: اور جو لوگ کہ اِیمان لائے اور پھر اُن کی ذریت نے بھی (دنیا میں) اِیمان کے ساتھ اُن کا اتباع کیا تو ہم (آخرت میں) اُن کی ذریت کو بھی اُن ہی کے ساتھ ملحق کر دیں گے) کی صراحت کے مطابق آخرت میں بھی اُن کو آپ کا خاص قرب اور خصوصی معیت نصیب ہوگی۔

مگر اِس علوِ مرتبہ کے باوجود اِصطلاحی اعتبار سے اُن کا شمار اَولیاء وصالحین ہی کی صف میں ہوتا ہے، انبیاء ورُسل کی صف میں نہیں، اِسی لیے ''عصمت'' جو خاصۂ انبیاء ہے، اُس سے اَزواجِ مطہرات یا اولادِ طیبات کو متصف قرار دینا، قرآن وحدیث کی مخالفت اور کفریہ عقیدہ ہے۔

عصمتِ اَئمہ اور مذہبِ شیعہ:

اِس کے برخلاف شیعہ اِمامیہ (روافض) اپنے مزعومہ اِماموں کے بارے میں

''عصمت'' ہی کا عقیدہ رکھتے ہیں، اُن کے مذہب کی مشہور کتاب "اُصول الکافی" (للکُلَینی) میں اِس پر باقاعدہ ایک باب قائم کیا گیا ہے: "باب نادر جامع في فضل الإمام وصفاته" اور اِس باب میں ''اِمام'' کے لیے جو مطلوبہ صفات ذکر کی گئی ہیں، اُن میں ایک صفت ''عصمت'' کی بھی ہے:

الإمام: المطهر من الذنوب، والمبرأ من العيوب.

(امام: ہر طرح کے گناہوں اور عیوب سے پاک ومبرا ہوتا ہے)۔

آگے اِس ''عصمت'' کی مزید وضاحت اِس طرح بیان کی گئی ہے:

فهو معصوم مؤيد موفق مسدد، قد أمن من الخطأ والزلل والعثار، يخصه الله بذلك؛ ليكون حجةً على عباده، وشاهِدَه على خلقه۔

(أصول الكافی [۱/ ۱۲۱-۱۲۲])

(وہ معصوم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی خاص تائید وتوفیق اُس کے ساتھ ہوتی ہے، اللہ اُس کو سیدھا رکھتا ہے، وہ لغزش، غلطی اور بھول چوک سے بھی مامون ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس کو معصومیت کی اِس صفت سے اِس لیے متصف کرتا ہے تاکہ وہ اُس کے بندوں پر اُس کی حجت اور اُس کی مخلوق پر اُس کا شاہد اور گواہ ہو)۔

[بحوالہ: اِیرانی اِنقلاب، اِمام خمینی اور شیعیت ص: ۱۲۶-۱۲۷]

مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

وأما عصمة الأئمة من أهل البيت فلم يرد فيه نقل، بل هو من اختلاق الروافض والشيعة، واستدلوا بهذه الآية بأنه سبحانه وتعالى ذكر تطهيرهم من الذنوب، وهو المراد من العصمة.

وقال في "روح المعاني": لا نسلم دلالتها على العصمة، بل لها

دلالة على عدمها، إذ لا يقال في حق مَن هو طاهر: إني أريد أن أطهره؛ ضرورة امتناع تحصيل الحاصل ......، وأيضاً لو كانت مفيدةً للعصمة ينبغي أن يكون الصحابة - لا سيما الحاضرين في غزوة بدر قاطبةً - معصومين؛ لقوله تعالى فيهم: ﴿وَلٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ [المائدة: ٦] . بل ولعل هذا أفيد لِمَا فيه من قوله تعالى: ﴿وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ﴾، فإن وقوع هذا الإتمام لا يتصور بدون الحفظ عن المعاصي وشر الشيطان. انتهى ملخصاً. (احكام القرآن شفیعی ۳: ۳۳۷)

(اور رہی بات ائمۂ اہلِ بیت کی عصمت کی تو اِس سے متعلق کوئی نص نہیں وارد ہوئی ہے، بل کہ یہ روافض اور شیعوں کا گھڑا ہوا عقیدہ ہے، وہ اِسی آیت سے اِستدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے اُن کی تطہیر کو بیان کیا ہے اور تطہیر سے مراد ''عصمت'' ہی ہے۔

......صاحبِ ''روح المعانی'' فرماتے ہیں کہ: ہم ''عصمت'' پر اِس آیت کی دلالت کو تسلیم نہیں کرتے، بلکہ اِس کے اندر ''عصمت'' کے نہ ہونے پر دلالت ہے، اِس لیے کہ جو پیدائشی طور پر پاک ہو اُس کے بارے میں یہ نہیں کہا جاتا کہ ہم تمھیں پاک کرنا چاہتے ہیں، اِس لیے کہ اِس سے تو تحصیلِ حاصل لازم آئے گا، جو کہ ممتنع ہے...... اور اگر یہ آیت مفیدِ عصمت مانی ہی ہے تو پھر تو صحابہ، بالخصوص تمام بدری صحابہ کو بھی معصوم مانا جائے، اِس لیے کہ اُن کے بارے میں بھی اِسی طرح کی آیت نازل ہوئی ہے: ﴿وَلٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ [المائدۃ:٦]، بلکہ شاید یہ آیت اُس

سے بھی زیادہ مفیدِ عصمت ٹھہرے گی، اِس لیے کہ اِس میں آگے ﴿وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ﴾ بھی فرمایا جارہا ہے اور اِتمامِ نعمت کا تصور گناہوں اور شیطانی اثرات سے بالکلیہ حفاظت کے بغیر ممکن نہیں)۔اھ ملخصاً۔

حضرت مولانا محمد اِدریس صاحب کاندھلویؒ فرماتے ہیں:

''شیعوں کی دوسری بات اِس آیت سے متعلق یہ تھی کہ اِس آیت میں ''اِذہابِ رجس'' اور ''تطہیر'' سے (یعنی گندگی دور کرنے اور پاک کرنے سے) اہلِ بیت کو معصوم بنانا اور اُن کو عصمت عطا کرنا مراد ہے،......،اگر بالفرض بقولِ شیعہ اِذہابِ رجس اور تطہیر سے عطائے عصمت یعنی کسی کو معصوم بنانے کے معنیٰ مراد لیے جائیں تو پھر اِس سے تو صحابۂ بدریین کا بھی معصوم ہونا ثابت ہوجائے گا، کیوں کہ یہ لفظ صحابۂ کرام کے لیے بھی آیا ہے: ﴿وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ [المائدۃ:٦] اور حاضرینِ جنگِ بدر کے لیے بھی آیا ہے: ﴿وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ﴾ [الأنفال:١١]۔

پس اگر شیعوں کے نزدیک آیتِ تطہیر: اہلِ بیت کی عصمت کی دلیل ہے تو مذکورہ بالا دو آیتیں تمام صحابہؓ کی اور خصوصاً صحابۂ بدریین کی عصمت کی دلیل بنیں گی، بلکہ مزید برآں اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے لیے ''اِتمامِ نعمت'' یعنی نعمت پورا کرنے کا اِرادہ ظاہر فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ اِتمامِ نعمت کا مضمون اِذہابِ رجس اور تطہیر سے بڑھ کر ہے، نیز گذشتہ آیت: ﴿وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ﴾ میں اہلِ بدر کے لیے شیطان کے شر سے محفوظ ہونے کا ذکر فرمایا ہے اور شیطان کے شر سے محفوظ رکھنا بدون عطائے عصمت کے ممکن نہیں اور اِتمامِ نعمت اُس پر مزید اِضافہ ہے، اِس لیے کہ اِتمامِ نعمت کا لفظ تمام فضائل اور کمالات کو حاوِی ہے، پس شیعوں کو چاہیے کہ صحابۂ کرامؓ کی عصمت کے عموماً اور اہلِ بدر کی عصمت کے خصوصاً قائل ہوں'' اھ۔ (معارف القرآن اِدریسی ٦:٢٦٩-٢٧٠)

خلاصہ یہ کہ نہ تو اِس آیتِ ''تطہیر'' سے ائمۂ روافض کی ''عصمت'' کا ثبوت ہوتا ہے اور نہ ہی ﴿أهل البيت﴾ کے لفظ سے اُن کے مفروضہ ائمہ کی تعیین ہوتی ہے، اُن کی دونوں ہی باتیں من گھڑت، بے بنیاد، بلکہ ظاہر البطلان اور گمراہ کن ہیں اور علامہ ابن تیمیہؒ، امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی رحمہ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی تحقیقات کے مطابق حضور ﷺ کی ''ختمِ نبوت'' کے عقیدے پر نہایت خطرناک حملہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے فتنے سے محفوظ و مامون فرمائیں، آمین۔

○❖○

چوں کہ گزشتہ تفصیلات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ﴿أھل البیت﴾ (اہلِ خانہ) کا اولین مصداق اور اِذہابِ رجس و تطہیر کی اصل مراد: آپ کی اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں، پھر آپ ﷺ کی دعاء کی بدولت ''حضراتِ ذواتِ اَربعہ رضی اللہ عنہم'' کو بھی اُن میں شامل کر دیا گیا؛ اِس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ سطور میں اہل اور آل کی تحقیق کے ساتھ اِن پاکیزہ نفوس کے کچھ حالات عمومی اور خصوصی فضائل پر مشتمل مختصر تعارفی خاکہ بھی قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا جائے، تاکہ اِن مقدس ہستیوں کے کم از کم اِجمالی ہی حالات کا تذکرہ تازہ ہو جائے اور عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة کے بموجب جالبِ رحمت و برکت ہو جائے۔

قسمِ دوم: اہل بیت النبی ﷺ
اور اُن کے فضائل ومناقب

اِس میں ایک تمہید اور چار فصلیں ہیں:

تمہید: لفظِ ''اہل'' اور ''آل'' کی تحقیق اور مصداق

فصلِ اول: آل النبی ﷺ کے عمومی فضائل ومناقب

فصلِ دوم: اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن: سیرت اور فضائل ومناقب

فصلِ سوم: اَولادِ طیبات رضی اللہ عنہم: سیرت اور فضائل ومناقب

فصلِ چہارم: اَصہارِ کرام رضی اللہ عنہم: سیرت اور فضائل ومناقب

خاتمہ: سب سے افضل خاتون کون؟

تمہید

لفظِ ''اَہل'' اور ''آل'' کی تحقیق اور مصداق:

''أھــــل'' عربی کا لفظ ہے، جس کے معنی ''مصباح اللغات'' میں لکھے ہوئے ہیں:

''کنبہ، رشتہ دار، وأھل الرجل: بیوی'' اھ۔

علامہ مجد الدین فیروز آبادی کی ''القاموس المحیط'' میں ہے:

أھل الرجل: عشیرته، وذوو قرباه. وأھل الأمر: وُلاته. وللبیت: سکانه. وللمذھب: مَن یدین به. وللرجل: زوجته. وللنبي ﷺ: أزواجه وبناته وصھره علي رضي اللّٰه تعالی عنه، أو نساؤه، والرجال الذین ھُم آله.

(ترجمہ: آدمی کے اَہل: اُس کے خاندان والے اور اُس کے قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں۔ اَہل الأمر: حُکام کو کہا جاتا ہے۔ اَہلِ بیت: گھر میں رہنے والوں کو کہتے ہیں۔ اہلِ مذہب: جو لوگ اُس مذہب کی پیروی کرتے ہیں۔ اَہل الرجل: بیوی کو کہتے ہیں۔ اَہل النبی - ﷺ - کا اِطلاق: آپ کی اَزواج مطہرات، بناتِ طیبات اور داماد سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہم پر کیا جاتا ہے۔ یا پھر آپ کی اَزواج اور خاندان کے اُن اَفراد پر کیا جاتا ہے جو آپ سے نسبی تعلق رکھتے ہیں)۔

اہل؛ لفظِ "آل" بھی عربی ہی کا لفظ ہے اور اِس کی اَصل بھی "أھـــل" ہی ہے، البتہ اِستعمال کے اِعتبار سے دونوں میں فرق ہے، وہ یہ کہ لفظِ "أھـل" کا اِطلاق تو بہت سے معانی میں ہوتا ہے اور کسی کے بھی گھر والوں کو "أھـل الرجل" کہا جا سکتا ہے، جب کہ لفظِ "آل" کا اِطلاق عموماً صرف معزز لوگوں کے گھر والوں پر ہی کیا جاتا ہے۔(القاموس المحیط، مادة: أ و ل)

قرآنِ کریم میں یہ لفظ اَنبیاء کے گھرانوں اور متعلقین کے لیے بھی اِستعمال ہوا ہے، جیسے:﴿اعْمَلُوْا آلَ دَاودَ شُكْرًا﴾ [سبأ:۱۳] اور﴿آلُ مُوْسَى وَآلُ هَارُوْنَ﴾ [البقرة:۲۴۸] اور دنیوی بادشاہوں کے گھرانے کے لیے بھی اِستعمال ہوا ہے، جیسے:﴿فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ﴾[القصص:۸]۔

اَحادیث شریفہ میں "اہلِ بیتِ رسول" کی نسبت سے لفظِ "آل" تین طرح سے اِستعمال ہوا ہے:

(۱) اَزواج النبی ﷺ کے لیے خاص ہو کر۔

جیسے آپ ﷺ کا اِرشاد:

ما أمسى عند آل محمد (ﷺ) صاعُ بُرٍّ، ولا صاعُ حَبٍّ، وإن عنده لتسعَ نسوة۔ [بخاری: ۲۰۶۹]

(آل محمد نے کبھی اِس حال میں شام نہیں کی کہ اُس کے پاس گیہوں یا اناج کا ایک صاع بھی ذخیرہ ہو۔ راوی کہتے ہیں: کہ اُس وقت آپ کے گھر میں نو بیویاں تھیں)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

إن كنا آل محمد ﷺ لنمكث شهراً ما نستوقد بنار، إن هو إلا التمر والماء

[بخاری: ۲۵٦۷، ومسلم: ۲۹۷۲، واللفظ له]

(ہم آلِ محمد ﷺ پورا پورا مہینہ اِس طرح گذار دیتے تھے کہ گھر میں آگ بھی جلانے کی نوبت نہیں آتی تھی، صرف کھجور اور پانی پر اکتفا کرتے تھے)۔

اِسی طرح ایک اور حدیث میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک گائے کی قربانی "اپنی آل" کی طرف سے فرمائی: نَحر عن آل محمد في حجة الوداع بقرةً واحدةً [ابوداود:۱۷۵۰] اور یہی روایت بخاری شریف [۵۵۴۸] میں ہے، اُس میں "عن أزواجہ" کے الفاظ ہیں اور مسلم شریف [۱۲۱۱] میں "عن نساءہ" ہے۔

اور اِن کے علاوہ بھی بہت سی ایسی روایات ہیں جن میں "آل" کا اِطلاق خاص أزواج النبی ﷺ پر کیا گیا ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے بھی اِس کی صراحت فرمائی ہے۔

(فتح الباری:۶۳۵۷)

(۲) اَولادِ النبی ﷺ کے لیے خاص ہوکر۔

جیسے آپ ﷺ کا سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمانا:

أمَا علمتَ أن آل محمد ﷺ لا يأكلون الصدقة؟ [بخاری:۱۴۸۵، ومسلم: ۱۰۶۹]

(کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آلِ محمد ﷺ صدقہ نہیں کھاتے؟)۔

(۳) دونوں کے لیے عام ہوکر۔

جیسے حدیثِ مشہور:

لا نُورَثُ، ما تَرَكْنا صدقةٌ، إنما يأكل آلُ محمد ﷺ في هذا المال

(ہم جماعتِ انبیاء کی وراثت جاری نہیں ہوتی، جو کچھ ہم چھوڑ کر جاتے ہیں

سب صدقہ ہو جاتا ہے اور آلِ محمد ﷺ اُس مال میں سے بس کھا سکتے ہیں۔ اُن کی ملکیت نہیں ہوگی۔)۔

یہ حدیث بخاری[۴۰۳۴] ومسلم[۱۷۵۹] کی متفق علیہ روایات میں سے ہے اور بہت مشہور ہے اور اِس میں قصہ یہ ہے کہ حضور اُقدس ﷺ کی وفات کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور میراث جاری کرنے کا مطالبہ کیا تو آپ نے اُن کو بھی یہی حدیث سنائی اور پھر جب اَزواجِ مطہرات نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آپ کی خدمت میں اِسی مطالبہ کے ساتھ بھیجا تو آپ نے اُن کو بھی یہی حدیث سنائی، جس سے معلوم ہوا "آل محمد" سے مراد یہاں دونوں ہی ہیں۔

جب گذشتہ تفصیلات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ''آل النبی ﷺ'' میں اَزواجِ مطہرات بھی داخل ہیں اور خاندانِ نبوت کے وہ حضرات بھی جن پر صدقہ حرام ہے اور ساتھ ہی عترتِ رسول بھی، تو مناسب تھا کہ ''آل النبی'' کے اِسی معیار اور مصداق کو سامنے رکھتے ہوئے ان سب کے مختصر حالات ذکر کیے جاتے۔

مگر چوں کہ ''حرمتِ صدقہ'' کے حوالہ سے ''اہلِ بیت'' یا ''آلِ نبی'' کے مصداق اَفراد و شخصیات کا اِحاطہ کرنا بہت طویل اور مشکل کام تھا، پھر یہ کوئی ایسا مسئلہ بھی نہیں تھا جس میں اہلِ باطل کی تلبیسات کا زیادہ عمل دخل ہو، اِس لیے یہاں اِس نقطے کو چھوڑتے ہوئے صرف اَزواجِ مطہرات اور عترتِ رسول کے تذکرے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

○❖○

چند وضاحتیں:

(۱) البتہ یہاں ایک تو یہ وضاحت ضروری ہے کہ جیسا کہ روایات میں تصریح اور تفصیل ہے کہ آپ ﷺ نے کل چودہ کے قریب نکاح فرمائے، جن میں سے گیارہ اَزواجِ مطہرات تو وہ ہیں جن سے آنحضرت ﷺ نے صحبت اور مقاربت فرمائی اور وہ ''اُمہات المؤمنین'' کے لقب سے معروف ومشہور ہوئیں اور چند عورتیں ایسی بھی ہیں کہ جن سے آپ نے نکاح تو فرمایا، لیکن کسی وجہ سے مقاربت سے پہلے ہی اُن کو اپنی زوجیت سے جدا کر دیا، جیسے اَسماء بنت نعمان، اُمیمۃ الجونیہ اور عَمرہ بنت یزید کلابیہ...... وغیرہ، تو اُن کا تذکرہ یہاں نہیں کیا گیا ہے۔ (فتح الباری ۱: ۳۷۸، وسیرۃ المصطفی ۳: ۳۶۱)

(۲) آیتِ تطہیر کے نزول کے وقت آپ ﷺ کے نکاح میں گیارہ میں سے صرف نو بیبیاں تھیں، کیوں کہ آپ کی پہلی زوجۂ محترمہ اُم المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات، ہجرت سے تین سال قبل مکہ مکرمہ میں ہی ہو چکی تھی اور اُم المؤمنین سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کی وفات بھی آیتِ تطہیر کے نزول اور صدقات وغیرہ کے تفصیلی اَحکام کے ورود سے پہلے (۴ھ) میں ہو چکی تھی۔

مگر ''اہلِ بیت'' کے عمومی مفہوم اور ''اَزواجِ رسول'' کے عام مصداق کے پیشِ نظر یہاں اِن دونوں ہستیوں کو بھی شاملِ تذکرہ کیا گیا ہے۔

(۳) اِسی طرح آپ ﷺ کے اِبتدائی تین صاحبزادگان بھی مکہ مکرمہ ہی میں وفات پا چکے تھے اور چوتھے صاحبزادے حضرت اِبراہیم کی ولادت ووفات (۸-۱۰ھ) دونوں ہی آیتِ تطہیر کے نزول کے بعد ہوئی، نیز صاحبزادیوں میں سے سیدہ فاطمہؓ کے علاوہ دیگر صاحبزادیوں کی وفات بھی آیتِ تطہیر کے نزول سے پہلے ہی ہو چکی تھی۔

مگر اَولاد وعترت اور آل وذریت کے عمومی مفہوم میں اِن سب کو شامل کر کے ''اَولادِ طیبات'' کے عنوان کے تحت سب ہی کے ذکرِ خیر سے اِس مجموعے کی رونق اور شرافت میں اِضافہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۴) سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی - ایک تو ہاشمی نسبت کی بنا پر بھی، دوسرے آیتِ تطہیر کے نزول کے وقت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے موجود ہونے کی وجہ سے بھی۔ بنصِ صریح: ''اہلِ بیت'' اور ''آلِ رسول'' میں شامل ہے، دیگر دامادوں کو چوں کہ یہ دونوں شرف حاصل نہیں تھے، اِس لیے باوجود نسبتِ مصاہرت کے حدیثِ کساء میں اِن حضرات کا نام نہیں آیا، مگر مصاہرتِ رسول کی مبارک نسبت کا لحاظ کرتے ہوئے، اُن حضرات کے تعارف کو بھی اِس مجموعہ کا حصہ بنالیا گیا ہے۔ وباللّٰہ التوفیق وھو المستعان

○❖○

فصلِ اوّل

آل النبی ﷺ: عمومی فضائل ومناقب

آل النبی ﷺ کے بہت سے اَفراد کے اِنفرادی طور پر فضائل ومناقب صحیح اَحادیث سے ثابت ہیں (جیسا کہ ہم آئندہ حسبِ موقع اُن میں سے بعض فضائل کوذکر بھی کریں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ) اور اِن سعادت مند نفوس کو یہ فضائل کیوں حاصل نہ ہوں گے جب کہ اِن کو اُس ذاتِ پاک سے براہِ راست نسبی، یا حسبی نسبت حاصل ہے جوذات کہ حاصلِ کائنات اور فخرِ خلائق ہے۔

اِنفرادی فضائل کے علاوہ بعض اَحادیث میں بحیثیتِ مجموعی بھی اِن کے فضائل وارِد ہوئے ہیں، اِختصار کے پیشِ نظر یہاں صرف تین مشترکہ فضائل ذکر کیے جاتے ہیں:

(ا) آپ ﷺ اِرشادفرماتے ہیں:

كل نسب وسبب ينقطع يوم القيامة إلا ما كان من سببي ونسبي [مستدركِ حاكم: ٤٦٨٤، ومسند أحمد: ١٨٩٠٧، والحديث حسن بطرقه وشواهده]

(روزِ قیامت سارے نسب اور نسبتیں منقطع ہوجائیں گی، سوائے میرے نسب اور نسبت کے)۔

اِس حدیث کے بعض طرق میں "وصهـــري"[مسند احمد:۱۸۹۰۷](رشتۂ دامادی) کا اِضافہ بھی ہے۔

(۲) اِسی طرح ایک قوی قول کے مطابق درودِ ابراہیمی میں مذکور "آلِ محمدؐ" سے بھی تمام "آلِ رسول" مراد ہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ اور ملا علی قاریؒ وغیرہما نے صراحت فرمائی ہے کہ اِس قول کے ذریعہ تمام اَحادیث میں تطبیق بھی ہوجاتی ہے، حافظ صاحبؒ کے الفاظ یہ ہیں: ......فالمراد بالآل في التشهد: الأزواج، ومَن حرمت عليهم الصدقة، ويدخل فيهم الذرية، فبذلك يُجمع بين الأحاديث۔(فتح الباری: ۶۳۵۷، ومرقاۃ المفاتیح: ۹۱۹)

(۳) یہ بات تفصیل سے لکھی جاچکی ہے کہ آیتِ تطہیر کا اَصل اور اولین مصداق اگرچہ اَزواجِ مطہرات ہیں، مگر آپ ﷺ کی دعاء کی بدولت حضرات ذواتِ اَربعہ رضی اللہ عنہم کو بھی اِس میں شامل کردیا گیا اور بعض روایات کے مطابق خاندان کے بعض اور حضرات کو بھی۔

○❖○

فصلِ دوم

اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن

(فضائلِ عامہ)

(۱) قرآنِ کریم میں اَزواجِ مطہرات کو تمام مسلمانوں کی ماں قرار دیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا گیا: ﴿النَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ [سورۂ احزاب، آیت:۶] (نبی ﷺ کو اہلِ ایمان سے اُن کی جانوں سے زیادہ تعلق ہے اور آپ کی بیبیاں مسلمانوں کی مائیں ہیں)۔

جس طرح عام اَولاد کے مقابلے میں اُن کی ماؤں کا مرتبہ مسلّم ہے، اِسی طرح تمام فرزندانِ اِسلام کے مقابلے میں اُمہات المؤمنین کا مقام ومرتبہ بھی محفوظ ومسلّم ہے۔

(۲) اُمہات المؤمنین: شرف اور بلندئ مقام میں عام عورتوں سے ممتاز ہیں، جیسا کہ اِرشادِ ربانی ہے: ﴿لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ [الأحزاب:۳۲] (- اے نبی کی بیبیو! - تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو)۔

(۳) نیک اعمال پر اُن سے دوگنے اَجر کا وعدہ ہے، اِرشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ، وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا﴾ [الأحزاب:۳۱]

(اور جو تم میں سے اللہ کی اور اُس کے رسول کی فرماں برداری کرے گی اور نیک کام کرے گی تو ہم اُس کو اُس کا ثواب دہرا دیں گے اور ہم نے اُس کے لیے ایک عمدہ روزی تیار کر رکھی ہے)۔

(۴) اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے:

﴿وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ﴾ [النور: ٢٦]

(اور پاکیزہ عورتیں پاک صاف مَردوں کے لائق ہوتی ہیں اور۔ اِسی طرح۔ پاک صاف مرد پاکیزہ عورتوں کے لائق ہوتے ہیں)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اِس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اِس عام عادتِ کلیہ اور ضابطہ سے واضح ہوگیا کہ انبیاء علیہم السلام جو دنیا میں پاکی اور صفائی ظاہری و باطنی میں مثالی شخصیت ہوتے ہیں، اِس لیے اللہ تعالیٰ اُن کو اَزواج بھی اُن کے مناسب عطا فرماتے ہیں۔ اِس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ جو تمام انبیاء کے سردار ہیں، اُن کو اَزواجِ مطہرات بھی اللہ تعالیٰ نے پاکی اور صفائی ظاہری اور اَخلاقی برتری میں آپ ہی کے مناسبِ شان عطا فرمائی ہیں''۔

(معارف القرآن ۶/۳۸۳)

(۵) اُن کے لیے سب سے بڑی شرافت اور کرامت کی بات یہ ہے کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ آپ ﷺ کی ''اَزواج'' ہیں، لہٰذا جس طرح وہ دنیا میں آپ کی خلوتوں کی ہم نشین اور آپ کے حرمِ خاص کی زینت رہیں، اِسی طرح آخرت میں بھی اُن کو: ﴿هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلَالٍ عَلَى الْأَرَائِكِ مُتَّكِئُونَ﴾ [یٰسٓ:۵۶] (وہ اور اُن کی بیویاں سائے میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے) کے بموجب، وہ مقام و مرتبہ ملے گا جہاں تک کسی اور کی رسائی بھی نہ ہوگی۔

اَزواجِ مطہرات کی تعداد:

یہ بات پہلے عرض کی جاچکی ہے کہ آپ ﷺ نے کل چودہ (یا پندرہ) نکاح فرمائے، جن میں سے گیارہ اَزواجِ مطہرات تو وہ ہیں جن سے آنحضرت ﷺ نے صحبت اور مقاربت بھی فرمائی، جب کہ چند عورتیں ایسی بھی ہیں کہ جن سے آپ نے نکاح تو فرمایا، لیکن کسی وجہ سے مقاربت سے پہلے ہی اُن کو اپنی زوجیت سے جدا فرمادیا، جیسے اَسماء بنت نعمان، اُمیمۃ الجونیہ اور عَمرہ بنت یزید کلابیہ...... وغیرہ۔

(فتح الباری ۱: ۳۷۸، وسیرۃ المصطفی ۳: ۳۶۱)

"اُمہات المؤمنین" کا عظیم الشان لقب اُن ہی اَزواج کے ساتھ مخصوص ہے جن سے آپ ﷺ نے مقاربت بھی فرمائی، اور جن سے آپ نے نکاح تو فرمایا، لیکن عروسی اور مقاربت سے پیشتر ہی اُن کو طلاق دیدی اُن کے لیے یہ لقب اِستعمال نہیں کیا جاسکتا۔

چوں کہ "اَزواجِ مطہرات" کو مؤمنین کی مائیں قرار دیا گیا ہے، اِس لیے آپ ﷺ کے بعد کسی بھی شخص کا اُن سے نکاح کرنا ناجائز اور حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ (سورۂ اَحزاب، آیت: ۳۲)

ترتیبِ نکاح:

پہلا نکاح: آپ ﷺ نے پہلا نکاح نبوت سے پندرہ سال قبل پچیس سال کی عمر میں، اُم المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کیا، جو ایک بیوہ عورت تھیں اور اُن کی عمر اُس وقت چالیس سال تھی۔

دوسرا نکاح: نبوت کے دسویں سال، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی پینسٹھ سال کی عمر میں وفات ہوگئی، تو آپ نے حضرت خولہ بنت حکیم کی نشاندہی پر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے

نکاح فرمالیا، وہ بھی ایک بیوہ خاتون تھیں اور اُس وقت آپ ﷺ اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا دونوں کی عمر پچاس سال تھی۔

تیسرا نکاح: اسی سال حضرت خولہ بنت حکیمؓ ہی کی نشاندہی پر، اپنے دیرینہ دوست اور رفیق سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی چھوٹی صاحبزادی سیدہ عائشہؓ سے بھی نکاح فرمایا، اُس وقت اُن کی عمر چھ سال تھی، اِسی لیے رخصتی کو بلوغ تک مؤخر کیا گیا اور ہجرت کے پہلے سال نو سال کی عمر میں رخصتی ہوئی۔

چوتھا نکاح: ہجرت کے تیسرے سال بعمر پچپن برس، حضرت خنیس بن حذافہ السہمیؓ کی بیوہ حضرت حفصہؓ بنت عمر بن الخطاب سے نکاح فرمایا، جن کی عمر اُس وقت بائیس برس تھی۔

پانچواں نکاح: اِسی سال حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی بیوہ حضرت زینبؓ بنت خزیمہ سے نکاح فرمایا، جن کی عمر بوقت نکاح تیس سال تھی۔

چھٹا نکاح: ہجرت کے چوتھے سال، بعمر ۵۶ برس، حضرت ابوسلمہؓ کی بیوہ ہند بنت اُبی اُمیہ (ام سلمہؓ) سے نکاح فرمایا، جن کی عمر ۲۹ سال تھی۔

ساتواں نکاح: سنہ ۵ ہجری میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی مطلقہ حضرت زینبؓ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کا نکاح فرمایا، اُس وقت حضرت زینب کی عمر چھتیس سال تھی۔

آٹھواں نکاح: سنہ پانچ ہجری ہی میں ستاون سال کی عمر میں مسافع بن صفوان کی بیوہ حضرت جویریہؓ بنت المصطلق سے نکاح فرمایا، جن کی عمر ۲۰ سال تھی۔

نواں نکاح: سنہ چھ ہجری میں عبیداللہ بن جحش کی بیوہ حضرت اُم حبیبہ بنت ابی سفیانؓ سے نکاح فرمایا، جن کی عمر چھتیس سال تھی۔

دسواں نکاح: سنہ ۷ھ میں کنانہ بن ابی الحقیق کی بیوہ حضرت صفیہؓ بنت حیی سے نکاح فرمایا، بوقت نکاح آپ ﷺ کی عمر ۵۹ سال تھی اور حضرت صفیہ ۱۷ سال کی تھیں۔

گیارہواں نکاح: اِسی سال بعمر اُنسٹھ برس آپ ﷺ نے اپنا آخری نکاح ابورُہم بن عبدالعزیٰ کی بیوہ حضرت میمونہؓ بنت الحارث سے فرمایا، جن کی عمر اُس وقت ۳۶ سال تھی۔

تعددِ اَزواج کی حکمتیں:

آپ ﷺ اعلیٰ درجہ کی اَعصابی قوت کے مالک اور صحت وتندرستی اور مردانگی وتوانائی سے بھرپور ایک کامل ومکمل اِنسان تھے، پھر دینِ اِسلام کوئی رہبانیت اور خلق بیزاری کا دین بھی نہیں ہے، اِسی لیے آپ ﷺ کے اندر فطری طور پر عورتوں کی طرف رغبت اور میلان بھی موجود تھا۔

مگر اِسی کے ساتھ ساتھ آپ چوں کہ ایک عالی نسب، شریف الخُلق، عفت مآب، شرم وحیا کے پیکر اور فطرتاً معصوم بھی تھے، اِس لیے آپ نے اپنے مردانہ کمال اور قوت کو کبھی بھی تکمیلِ ہوس کا ذریعہ نہیں بنایا، بلکہ آپ کو ہمیشہ اپنی نگاہ اور خواہشات پر پورا پورا قابو حاصل رہا، ہاں آپ نے متعدد نکاح ضرور فرمائے، مگر وہ سب کے سب بوقتِ ضرورت اور بوجہِ مصلحت ہی تھے۔

جس کا کچھ اندازہ اِسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے پہلا نکاح پچیس سال کی عمر میں فرمایا اور وہ بھی اپنے سے پندرہ سال زائد عمر والی بیوہ سے، پھر تنہا اُن ہی کے ساتھ جوانی کے بقیہ پچیس سال بھی گذار دیئے، پھر جب بڑھاپے کے دور میں قدم رکھا اور پہلی شریکِ حیات نے داغِ مفارقت دے دیا تو پھر آپ نے یکے بعد دیگرے دس نکاح فرمائے، جس میں سے آٹھ نکاح بیوہ عورتوں سے، ایک مطلقہ عورت سے اور صرف ایک نکاح کنواری لڑکی سے فرمایا۔

اِس سے معلوم ہوا کہ یہ نکاح نفسانی خواہشات کی تکمیل وتسکین کے لیے نہیں تھے، بلکہ اِن کے مقاصد نہایت بلند اور مصالح انتہائی پاکیزہ تھے۔

مثلاً یہ کہ:

(ا) آپ ﷺ کی زندگی تمام مسلمانوں کے لیے نمونہ ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الاحزاب:۲۱] (یقیناً تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول کی ذات میں بہترین نمونہ ہے)۔ اِس لیے آپ ﷺ کی خانگی، اِزدواجی اور معاشرتی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو محفوظ کرنے اور نقل کرنے کے لیے ایسی خواتین اور ''اہلِ خانہ'' کی موجودگی کی ضرورت تھی، جو اِن اُمور سے متعلق آپ ﷺ کی تعلیمات، ہدایات اور سنتوں کو اچھی طرح سمجھ کر بیان کرسکیں۔

چنانچہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا جیسی اَزواجِ مطہرات نے اِس ذمہ داری کو بحسن وخوبی نبھایا اور سیکڑوں روایات کے ذریعہ آپ ﷺ کی داخلی زندگی کو محفوظ کرنے اور اگلی نسلوں تک پہنچانے کا عظیم الشان کارنامہ سر انجام دیا۔

پھر مردوں کے لیے تو آپ ﷺ کی تنہا ذات ہی کامل نمونہ ہوگئی تھی، فطرتاً عورتوں کو بھی عملی نمونہ کی ضرورت تھی، اِس کے لیے آپ ﷺ کی تربیت یافتہ خواتین ہی بہترین اِنتخاب ہوسکتی تھیں، گویا یہ صرف ازواجِ مطہرات ہی نہیں تھیں، بلکہ مدرسۃ النسواں کی طالبات بھی تھیں، مسجد نبوی میں مردوں کو تعلیم دی جاتی تھی اور گھر میں ازواجِ مطہرات کو، کیوں کہ انہی کو آئندہ چل کر امت کی عورتوں کی معلمات بننا تھا، چنانچہ ہر ہر بیوی نے اپنی اپنی استعداد کے موافق علم حاصل کیا۔

یہاں حضرت عائشہؓ کے ساتھ نکاح میں بطور خاص یہ حکمت بھی تھی کہ آپ ﷺ کے حرم میں کوئی ایسی چھوٹی عمر کی خاتون داخل ہو جس نے اپنی آنکھ اِسلامی ماحول میں ہی

کھولی ہو، پھر نبی ﷺ کے گھرانے میں آکر پروان چڑھے، تاکہ اس کی تعلیم وتربیت ہر لحاظ سے مکمل اور مثالی طریقہ پر ہو اور وہ مسلمان عورتوں اور مردوں میں اِسلامی تعلیمات پھیلانے کا مؤثر ترین ذریعہ بن سکے۔

اِسی حکمت، بصیرت اور حسنِ تعلیم وتربیت کا یہ اثر ہوا سیدہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی اِس نوعمری میں کتاب وسنت کے علوم میں گہری بصیرت اور مہارت حاصل کی، اُسوۂ حسنہ اور آنحضور ﷺ کے اَعمال واِرشادات کا بہت بڑا ذخیرہ اپنے ذہن میں محفوظ کیا، پھر طویل مدتی درس وتدریس اور نقل وروایت کے ذریعہ سے اپنا تمام تر علمی ذخیرہ اُمت کے حوالہ کردیا۔

آپ سے آپ کے اپنے اقوال وآثار کے علاوہ، دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) مرفوع احادیث بھی مروی ہیں۔

(۲) آپ ﷺ کو اِس نکاح ومصاہرت کے ذریعہ بعض مرتبہ اپنے خواص کا اِعزاز واِکرام بھی پیشِ نظر ہوتا تھا، مثلاً حضرات شیخین (حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ) کو اُن کی صاحبزادیوں سے خود نکاح فرما کر اِعزاز بخشا، جیسا کہ حضرات ختنین (حضرت عثمانؓ وعلیؓ) کو اپنی صاحبزادیوں سے اُن کا نکاح فرما کر اِعزاز بخشا گیا۔

(۳) بعض نکاح آپ نے کسی حکمِ شرعی کے اِثبات کے لیے بھی فرمایا، چنانچہ اُم المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح متبنی (منہ بولے لڑکے) کی جاہلی رسم کو مٹانے کے لیے تھا۔

(۴) بعضے نکاح بعض عورتوں کی دِل داری اور غمگساری کے طور پر بھی فرمائے، جیسے اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ کے نئے ماحول میں آئی تھیں، جہاں شوہر کے علاوہ اُن کا کوئی سہارا اور آسرا نہیں تھا، اچانک اُن کے شوہر شہید ہوگئے، کئی چھوٹے چھوٹے بچے ساتھ تھے، ایسے میں آپ ﷺ نے اُن

سے نکاح فرما کر، گویا اُن کی بیوگی کو اور اُن کے بچوں کی یتیمی کو سہارا دیا۔

کچھ اِسی طرح کا معاملہ اور پس منظر اُم المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا بھی ہے۔

اِسی طرح اُم المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہجرت کر کے حبشہ گئی ہوئی تھیں، جہاں اُن کے شوہر کا (بعض روایات کے مطابق بعد اِرتداد) انتقال ہو گیا اور وہ تنہا رہ گئیں، تو اُن کی دلداری اور غم گساری کے لیے آپ ﷺ نے اُن سے نکاح فرمالیا۔

گویا اِن بیوگان سے نکاح کرنے میں اُن کی مواسات اور کفالت کا پہلو بھی شامل ہے۔

جنگ بدر، جنگ اُحد، غزوۂ بئر معونہ اور سریۃ القراء وغیرہ معرکوں میں سیکڑوں صحابہ شہید ہو گئے تھے، آپ ﷺ کے بیوگان سے نکاح کرنے سے دوسروں کو بھی ترغیب ہوئی، جس کی وجہ سے بہت سے بے آسرا گھرانے آباد ہو گئے۔

(۵) عرب کے قبائلی معاشرہ میں آپ ﷺ نے مختلف قبائل کی خواتین سے نکاح کے ذریعے اُن قبائل سے اپنے معاشرتی اور سیاسی تعلقات استوار کیے، جس سے بہت سی قبائلی دشمنیاں آپ ﷺ کے خلاف سرد پڑ گئیں۔

عربوں میں دستور تھا کہ جو شخص کسی کا داماد بن جاتا اُس کے خلاف جنگ کرنا اپنی عزت کے خلاف سمجھتے، جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ اِسلام لانے سے پہلے حضور ﷺ کے شدید ترین مخالف تھے، مگر جب اُن کی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے حضور نبی کریم ﷺ کا نکاح ہوا تو یہ دشمنی کم ہو گئی۔

اِسی طرح حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا باپ قبیلۂ بنو المصطلق کا سردار تھا، یہ قبیلہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان رہتا تھا، حضور ﷺ نے اِس قبیلہ سے جہاد کیا، ان کا سردار

مارا گیا، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا قید ہوکر آئیں، ان سے حضور ﷺ نے نکاح فرمایا، ان سے نکاح کے نتیجہ میں مسلمانوں نے بنی المصطلق کے سب قیدی رہا کر دیئے اور وہ سب بعد میں مسلمان بھی ہو گئے۔

اِسی طرح حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی ہوئی، خیبر کی لڑائی میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا قید ہوکر آئیں، یہ حضرت ہارون علیہ السلام کے خاندان سے تھیں اور مشہور یہودی سردار حیی بن الاخطب کی صاحبزادی تھیں، اُن کا شوہر مارا گیا تھا، حضور ﷺ نے ان کو لونڈی بننے نہیں دیا، بلکہ ان کو آزاد کر کے نکاح کرلیا، ان کے ذریعہ یہود کے قبیلوں میں اسلام کے اچھے اثرات پھیلے۔

حاصل یہ کہ آپ ﷺ کے اِن نکاحوں کے ذریعہ مختلف قبائل سے رشتے قائم ہوئے اور بہت سی قبائلی عصبیتوں کا قلع قمع ہوا، جس کی وجہ سے اِسلام کو تیز رفتاری سے پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔

(۶) اِن شادیوں کا ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ لوگ حضور ﷺ کے قریب آسکیں، آپ کے کریمانہ اَخلاق کا مطالعہ کرسکیں، تا کہ انھیں راہِ ہدایت نصیب ہو۔

(مستفاد از: سیرۃ المصطفی ۳/۳۶۱)

○❖○

اَزواجِ مطہرات:
سیرت اور فضائل ومناقب

(۱) ام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا:

نام ونسب: خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قُصی القرشیہ الاسدیہ، قُصی پر پہنچ کر باپ کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے۔ (اُسد الغابۃ ۷/۸۰، ترجمہ خدیجہ: ۶۸۷۴)

ماں کا نام: فاطمہ بنت زائدہ بن الأصم القرشیہ العامریہ۔

ذاتی حالات: مشہور قول کے مطابق آپؓ کا پہلا نکاح عتیق بن عائذ المخزومی سے اور دوسرا نکاح ابوہالہ بن زُرارہ تمیمی سے ہوا، جن سے ہند اور ہالہ دو بیٹے پیدا ہوئے، ہندؓ اور ہالہؓ دونوں مشرف باسلام بھی ہوئے، ہند بن ابی ہالہ نہایت فصیح وبلیغ تھے، حلیۂ نبوی کے متعلق مفصل روایت انہی سے مروی ہے۔

حضرت خدیجہؓ بڑی شریف اور مالدار عورت تھیں، جب بیوہ ہوگئیں تو قریش کا ہر شریف آدمی ان سے نکاح کا متمنی تھا، لیکن جب آنحضرت ﷺ حضرت خدیجہؓ کا مال تجارت لے کر سفر میں گئے اور عظیم نفع کے ساتھ واپس ہوئے اور اِدھر حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کے ظہور کی بشارتیں بھی سن چکی تھیں، اپنے غلام میسرہ سے سفر شام کے واقعات بھی سنے تھے، چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل اِنجیل کے زبردست عالم تھے، وہ بھی نبیٔ آخر الزماں

کے منتظر تھے۔ ان واقعات کی وجہ سے حضرت خدیجہؓ کے دل میں آپؐ سے نکاح کا شوق پیدا ہوا۔

حضرت خدیجہ کا نام ''طاہرہ'' رکھا نہیں گیا تھا، بلکہ من جانب اللہ لوگوں کی زبانوں پر جاری ہوگیا، تاکہ ان کی طہارت ونزاہت مشہور ہو جائے، جس طرح کہ نبی اکرم ﷺ کو ''امین'' کہلوایا گیا، تاکہ آپ کی امانت اور دیانت مسلم ہو جائے اور کسی کو اس میں کلام کی گنجائش نہ رہے، اللہ تعالی نے سچ فرمایا اور اس سے بڑھ کر کون سچا ہو سکتا ہے: ﴿الطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ﴾[النور:۲۶] (ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لائق ہوتی ہیں، اور ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لائق ہوتے ہیں)۔

حضرت خدیجہؓ کا تمام اَشراف اور روسائے مکہ کو (باوجود اُن کی تمنا اور آرزو کے) چھوڑ کر آنحضرت ﷺ کی طرف مائل ہونا، آپ کی طہارت اور نزاہت کی روشن دلیل ہے اور اِسی سے حضرت خدیجہؓ کے فہم وفراست اور فطری سعادت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

تاریخ معین پر ابوطالب مع اَعیانِ خاندان کے جن میں حمزہ بھی تھے، حضرت خدیجہؓ کے مکان پر آئے اور چوں کہ حضرت خدیجہ کے والد خویلد کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا، اِس لیے اُن کے چچا عمر بن اسد کی سر پرستی میں شادی کی یہ رسم ادا ہوئی، جناب ابوطالب نے خطبۂ نکاح پڑھا اور پانچ سو درہم مہر مقرر ہوا۔

نکاح کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال، اور آنحضرت ﷺ کی عمر پچیس سال تھی۔

بعض روایت میں مذکور ہے کہ اِیجاب وقبول کے بعد حضرت خدیجہ نے ایک گائے ذبح کرائی اور کھانا پکوا کر مہمانوں کو کھلایا۔ (شرح المواہب اللدنیہ للزرقانی:۴/۳۶۴)

اولاد: انہی کے بطن سے آپ ﷺ کی چار صاحبزادیاں: زینبؓ، رقیہؓ، اُم کلثومؓ اور فاطمہؓ اور دو صاحبزادے: قاسمؓ اور عبداللہؓ (طیب وطاہر) پیدا ہوئے (جن کا مفصل بیان آگے آئے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ)۔ اولادِ ذکور صغرِ سنی ہی میں انتقال کرگئی، البتہ صاحبزادیاں بڑی ہوئیں اور اُن کی شادیاں ہوئیں۔

وفات: جب تک حضرت خدیجہؓ زندہ رہیں اس وقت تک آپ نے دوسرا عقد نہیں فرمایا، ۱۰/ نبوی میں ہجرت سے تین سال پیشتر مکہ میں انتقال کیا اور حَجون کے مقبرے میں مدفون ہوئیں، آنحضرت ﷺ نے خود قبر میں اتارا، نمازِ جنازہ اس وقت تک مشروع نہیں ہوئی تھی، پچیس سال آپ ﷺ کی زوجیت میں رہیں، پینسٹھ سال کی عمر میں انتقال کیا۔إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون

فضائل ومناقب:

[۱] اُم المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بالاجماع آپ ﷺ کی پہلی بیوی ہیں، اور بالاجماع پہلی مسلمان ہیں، کوئی مرد اور کوئی عورت اِسلام لانے میں آپؓ سے مقدم نہیں۔

[۲] چونکہ حضرت خدیجہؓ جاہلیت کے رسم ورواج سے پاک تھیں، اِس لیے بعثتِ نبوی سے پیشتر ہی وہ ''طاہرہ'' کے نامِ سے مشہور تھیں۔

[۳] آپ ﷺ نے اُن کے بارے میں فرمایا:

رزقني اللّٰہ منها الولد، اذلم یرزقني من غیرها۔

(رواه الطبراني في "المعجم الكبير" ۲۳/ ۱۳۔مسند احمد ۲۴۸٦٤)

(اَزواج میں وہ تنہا خاتون ہیں جن سے اللہ نے مجھے اولاد عطا فرمائی)۔

[۴] ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے اُن کے بارے میں فرمایا:

إني قد رُزقت حُبَّها۔ (اُن کی محبت میرے اندر سرایت کی ہوئی ہے)

(مسلم: رقم ۲۴۳۵/ کتاب فضائل الصحابة ، باب من فضائل خديجة)

[۵] بخاری اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ جبریل امین علیہ السلام آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یارسول اللہ! یہ خدیجہ آپ کے لیے کھانا لے آرہی ہیں، جب آپ کے پاس آئیں تو اُن کے پروردگار کی طرف سے اور پھر میری طرف سے ان کو سلام کہہ دیجیے، اوران کو جنت کے ایک محل کی بشارت دیدیجیے جو ایک ہی موتی کا بنا ہوگا اور اس محل میں نہ شور وغل ہوگا اور نہ کسی قسم کی مشقت اور تکلیف ہوگی۔

نسائی کی روایت میں یہ زیادتی بھی ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے سن کر یہ جواب دیا: ان اللّٰه هو السّلام، وعلى جبريل السّلام، عليك يارسول الله السلام ورحمة الله وبركاته ۔(تحقیق اللہ تعالیٰ تو خود ہی سلام ہیں، یعنی اللہ پر کیا سلام بھیجا جائے، البتہ جبریل پر سلام ہو اور یارسول اللہ! آپ پر بھی اللہ کا سلام ہو اور اس کی رحمتیں اور برکتیں ہوں (کہ جن کے طفیل مجھ پر یہ رحمتیں اور برکتیں نازل ہو رہی ہیں)۔

حافظ ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ جل شانہ کا کسی کو سلام کہلا کر بھیجنا یہ وہ فضیلت اور منقبت ہے کہ جس میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا کوئی شریک اور سہیم نہیں۔

[۶] علماء کا اِس پر اتفاق ہے کہ عورتوں میں سب سے افضل یہ پانچ عورتیں ہیں: گذشتہ اُمتوں میں حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا اور اِس اُمت میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

پھر اِن میں سے سب سے افضل کون ہے؟ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے، جس کی تحقیق اِن شاء اللہ تعالیٰ رسالہ کے آخر میں پیش کی جائے گی، مگر مختلف اقوال میں سے ایک قول حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت کا بھی ہے۔

(۲) ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا:

نام ونسب: سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدوُدّ بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی بن غالب القرشیہ العامریہ، لوی پر پہنچ کر باپ کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے (أسد الغابۃ: ۷۰۳۵، ۷/۱۵۷)۔

ماں کا نام: شموس بنت قیس بن عمرو بن زید انصاریہ ہے، انصار میں سے قبیلۂ بنی النجار کی تھیں۔

ذاتی حالات: حضرت سودہ کا قد لانبا اور بدن بھاری تھا، ابتدائے نبوت میں مشرف باسلام ہوئیں، پہلا نکاح چچازاد بھائی سکران بن عمرو عامریؓ سے ہوا تھا، صحابہ نے جب دوسری بار حبشہ کی طرف ہجرت کی تو سودہؓ اور سکرانؓ بھی اُن مہاجرین میں تھے، جب مکہ واپس ہوئے تو راستہ میں سکران کا انتقال ہو گیا، ایک بیٹا عبدالرحمٰن چھوڑا، جو مشرف باسلام ہوئے اور جنگِ جلولا میں شہید ہوئے۔

آں حضرت ﷺ حضرت خدیجہ کے انتقال سے نہایت غمگین اور پریشان تھے، ایک دن خولہ بنت حکیمؓ (زوجہ عثمان بن مظعونؓ) آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کو خدیجہ کے نہ ہونے سے پریشان دیکھتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں بال بچوں کی پرورش اور گھر کا انتظام سب انہی سے تھا، خولہؓ نے عرض کیا: میں آپ کے لیے کہیں پیام نہ دوں؟ آپ نے فرمایا: مناسب ہے، آپ نے فرمایا: کس جگہ پیام دینے کا خیال ہے؟ خولہؓ نے عرض کیا: اگر کنواری سے نکاح کرنا چاہیں تو آپ کے نزدیک تمام مخلوق میں جو سب سے زیادہ محبوب ہے اُس کی بیٹی عائشہ سے نکاح فرمائیں اور اگر بیوہ سے چاہیں تو سودہ بنت زمعہ موجود ہے، جو آپ پر اِیمان لائی اور آپ کا اِتباع کیا، آپ نے فرمایا: دونوں جگہ پیام دیدو۔

خولہؓ اول سودہؓ کے پاس گئیں اور کہا کہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے تمہارا پیام دے کر بھیجا ہے، سودہ نے کہا مجھ کو کوئی عذر نہیں، میرے باپ سے اس کا تذکرہ کرلو، خولہ کہتی ہیں کہ میں ان کے باپ کے پاس پہنچی اور جاہلیت کے طریقے پر "أنعم صباحاً" کہا، پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا: خولہ ہوں، باپ نے مرحبا کہہ کر دریافت کیا کہ کیسے آنا ہوا؟ میں نے کہا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب کا آپ کی بیٹی سے پیام لے کر آئی ہوں، باپ نے سن کر کہا: ہاں بے شک وہ شریف کفو ہیں، لیکن معلوم نہیں کہ سودہ کی کیا رائے ہے، میں نے کہا وہ بھی آمادہ ہے، چنانچہ وقتِ مقررہ پر آں حضرت ﷺ تشریف لے گئے اور نکاح پڑھا گیا۔

حضرت سودہ کے بھائی عبداللہ بن زمعہ جو اُس وقت تک مشرف باسلام نہ ہوئے تھے، جب اُن کو اِس کا علم ہوا تو سر پر خاک ڈال لی، جب مشرف باسلام ہوئے تو اپنی اس حرکت پر بہت نادم ہوئے اور جب کبھی اس کا خیال آجاتا تو یہ کہتے کہ میں اس روز بڑا ہی نادان تھا جس روز میں نے اپنے سر پر اِس وجہ سے خاک ڈالی کہ آنحضرت ﷺ نے میری بہن سے نکاح فرمایا۔

(زرقانی ۳/۲۲۰، بحوالہ مسند أحمد: ۲۵۷۶۹ بسند حسن)

چوں کہ حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح قریب قریب ہی ہوا ہے، اس لیے علمائے سیر کا اِختلاف ہے کہ کون سا نکاح پہلے ہوا، صحیح اور راجح قول یہی ہے کہ حضرت سودہ کا نکاح پہلے ہوا اور چار سو درہم مہر قرار پایا۔ (زرقانی ۳/۲۲۷)

حضرت سودہؓ سے نکاح کے وقت حضور ﷺ اور حضرت سودہؓ دونوں ہی کی عمر پچاس برس تھی۔

وفات: ماہ ذی الحجہ ۲۳ھ میں مدینہ منورہ میں حضرت عمرؓ کے اخیر زمانۂ خلافت میں بعمر پینسٹھ سال وفات ہوئی۔ (رواہ البخاری فی تاریخہ بسند صحیح)

بعض کہتے ہیں کہ ۵۴ھ میں وفات پائی، واقدیؒ نے اسی کوراجح قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم

(الاصابہ ۸/۱۹۷)

فضائل ومناقب:

[۱] مزاج میں ظرافت تھی، کبھی کبھی آنحضرت ﷺ کو ہنساتیں۔

[۲] حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

مارأيت إمرأةً أحب إلي أن أكون في مسلاخها من سودة بنت زمعة؛ من امرأة فيها حدَّة ......" (مسلم رقم: ١٤٦٣/ كتاب الرضاع، باب جواز هبتها نوبتها بضرتها)۔

(مزاج میں تیزی کے باوجود سودہ سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی عورت ایسی نہیں ہے کہ میں اُس جیسی عادت والی ہونے کی تمنا کروں)۔

[۳] ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے سودہؓ کو طلاق دینے کا اِرادہ فرمایا، حضرت سودہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھ کو اپنی زوجیت میں رہنے دیجیے، میری تمنا یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ کو آپ کی ازواج میں اٹھائے اور چوں کہ میں بوڑھی ہوگئی ہوں اس لیے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کیے دیتی ہوں، آپ نے اس کو منظور فرمایا، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے طلاق دیدی تھی بعد میں رجوع فرمایا۔ واللہ اعلم (الاصابہ: ۸/۱۹۷)

(۳) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا وعن ابیہا:

نام ونسب: عائشہ بنت عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ بن کعب بن لؤی القرشیہ التیمیہ، مُرۃ پر پہنچ کر باپ کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے۔ (الاصابۃ: ۴۸۳۵،۴/۱۴۴)

کنیت: آپ کی کوئی اولاد تو نہیں ہوئی، مگر خواہر زادہ عبداللہ بن الزبیر کی پیدائش پر آپ ﷺ نے اُن ہی کے نام پر آپ کی کنیت ''اُم عبداللہ'' تجویز فرمادی تھی۔

ماں کا نام: والدہ ماجدہ کا نام زینب بنت عامر بن عویمر الکنانیہ اور کنیت: اُم رومان ہے۔

ذاتی حالات: آپ کی نسبت کم عمری ہی میں مطعم بن عدی کے بیٹے جبیر سے طے پا چکی تھی، مگر جب حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد حضرت خولہ بنت حکیمؓ نے آپ ﷺ کے رشتہ کے لیے آپؓ کی نشاندہی اور تحریک کی، تو آپ نے اُنہی کے ذریعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پیامِ نکاح بھیجا، حضرت ابوبکر صدیق نے پہلے تو فرمایا کہ میں بچی کی نسبت طے کر چکا ہوں۔

مگر پھر فوراً ہی مطعم کے گھر پہنچے، اور مطعم سے مخاطب ہو کر کہا کہ نکاح کے متعلق کیا خیال ہے؟ مطعم کی بیوی بھی سامنے تھی، مطعم نے بیوی سے مخاطب ہو کر کہا: تمہاری کیا رائے ہے؟ مطعم کی بیوی نے ابوبکر سے مخاطب ہو کر کہا: تمہارے ہاں نکاح کرنے سے مجھ کو قوی اندیشہ ہے کہ کہیں میرا بچہ صابی (یعنی بے دین) نہ ہو جائے اور اپنا آبائی دین چھوڑ کر تمہارے دین میں نہ داخل ہو جائے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، مطعم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: مطعم! تم کیا کہتے ہو؟ مطعم نے کہا: میری بیوی نے جو کہا وہ آپ نے سن لیا؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اطمینان ہو گیا کہ وعدہ کی ذمہ داری اَب مجھ پر باقی نہیں رہی، آپ وہاں سے اٹھ کر گھر آئے اور خولہ سے کہہ دیا کہ مجھ کو یہ رشتہ منظور ہے، آنحضرت ﷺ جس وقت چاہیں تشریف لے آئیں، چنانچہ آپ تشریف لائے اور نکاح پڑھا گیا، چار سو درہم مہر مقرر رہوا۔

ہجرت سے تین سال قبل ماہ شوال ۱۰ھ نبوی میں نکاح ہوا، اُس وقت حضرت عائشہؓ

کی عمر چھ سال تھی، ہجرت کے سات آٹھ ماہ بعد شوال ہی کے مہینہ میں رخصتی اور عروسی کی رسم ادا ہوئی، اُس وقت آپؓ کی عمر نو سال اور کچھ ماہ تھی، ۹ر سال آں حضرت ﷺ کی زوجیت میں رہیں، جس وقت آنحضرت ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت عائشہ کی عمر ۱۸ر سال تھی، آپ ﷺ کے بعد اڑتالیس سال زندہ رہیں۔

وفات: مشہور قول کے مطابق ۶۶ر سال کی عمر میں ۵۷ھ میں مدینہ منورہ میں وفات ہوئی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی، آپ کے تین بھتیجوں: قاسم بن محمد، عبداللہ بن عبدالرحمٰن اور عبداللہ بن ابی عتیق اور دو بھانجوں: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ کو قبر میں اتارا۔ (زرقانی: ۳۹۲/۴)

فضائل ومناقب:

آپ کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں، آپ کے حصہ میں بہت سی ایسی سعادتیں آئیں جن میں آپ کا کوئی شریک وسہیم نہیں، خود فرماتی ہیں:

چند خصلتیں مجھ کو من جانب اللہ ایسی عطا کی گئیں جو کسی اور عورت کو نہیں عطا کی گئیں اور خدا کی قسم میں یہ بات بہ طور فخر نہیں کہتی، یعنی اللہ کی نعمت کو بیان کرنا اور ظاہر کرنا مقصود ہے، دوسروں پر تفاخر پیشِ نظر نہیں ہے، وہ خصلتیں یہ ہیں:

[۱] آپ ﷺ نے میرے سوا کسی باکرہ (کنواری) سے نکاح نہیں فرمایا۔

[۲] نکاح سے پیشتر فرشتہ میری تصویر لے کر نازل ہوا اور آپ ﷺ کو دکھا کر کہا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں، اللہ کا حکم ہے کہ آپ ان سے نکاح کریں۔

[۳] رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ مجھ سے محبت فرماتے تھے۔

[۴] جو شخص آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب تھا میں اُس کی بیٹی ہوں، یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

[۵] آسمان سے میری براءت میں متعدد آیتیں نازل ہوئیں اور میں طیّبہ اور پاکیزہ پیدا کی گئی اور طیّب اور پاکیزہ کے پاس ہوں اور اللہ نے مجھ سے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا۔

[۶] میں نے جبرئیل علیہ السلام کو (ایک مرتبہ) دیکھا، میرے سوا آپ کی ازواج میں سے کسی نے جبرئیل کو (کبھی) نہیں دیکھا۔

[۷] جبرئیل آپ پر وحی لے کر آتے تھے اور میں آپ کے پاس ایک لحاف میں ہوتی تھی، میرے سوا اور کہیں اس طرح وحی نازل نہیں ہوئی۔

[۸] میری باری کے دو دن اور دو رات تھے اور باقی ازواج کی باری ایک دن اور ایک رات تھی۔

(ایک دن اور ایک رات تو خود حضرت عائشہ صدیقہؓ کی باری کا تھا اور دوسرا دن حضرت سودہؓ کی باری کا تھا، جوانھوں نے سن رسیدہ ہوجانے کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کردیا تھا)۔

[۹] اِنتقال کے وقت آپ ﷺ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔

[۱۰] وفات کے بعد آپ ﷺ میرے حجرے میں مدفون ہوئے۔

رواه أبو يعلى والبزّار، وقال الهيثمي: وفيه مجالد وهو حسن الحديث، وبقية رجاله رجال الصّحيح۔(مجمع الزّوائد ۲٤۱/۹)

[۱۱] حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائش! یہ جبرئیلؑ ہیں، تم کو سلام کہتے ہیں، میں نے کہا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ (تو ہر مرتبہ اُن کو) دیکھتے ہیں اور میں (ہر مرتبہ اُن کو) نہیں دیکھتی (بخاری: ۳۷٦۸، ومسلم: ۲۴۴۷)۔

[۱۲] حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مردوں میں

سے بہت لوگ کمال کو پہنچے، مگر عورتوں میں سے سوائے مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون کے کوئی عورت کمال کو نہیں پہنچی اور عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے کہ ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر۔ (بخاری:۳۴۱۱، ومسلم:۲۴۳۱)

[۱۳] رسول اللہ ﷺ کی ۹ رسالہ صحبت ومعیت کی برکت سے آپؓ کو ایسا وسیع اور عمیق علم حاصل ہو گیا تھا کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد اکابر صحابہ کو جب کوئی علمی اِشکال پیش آتا تو وہ آپؓ ہی کی طرف رجوع کرتے، عہدِ صحابہ میں حضرت عائشہؓ کا علم اور تفقہ اور تاریخ دانی مسلم تھی، یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ اَحکام شرعیہ کا چوتھائی حصہ حضرت عائشہؓ سے منقول ہے۔ (فتح الباری: باب فضل عائشہ ۷/ ۱۰۷)

[۱۴] حضرت ابوموسی اشعریؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کو جب کسی مسئلہ میں کوئی اِشکال پیش آتا تو حضرت عائشہؓ سے دریافت کرتے، آپ کے یہاں ضرور اس کے متعلق کوئی علم دستیاب ہوتا (ترمذی:۳۸۸۳)۔

[۱۵] زہریؒ فرماتے ہیں کہ اگر حضرت عائشہؓ کے علم کا تمام اُمہات المؤمنین اور تمام عورتوں کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم سب سے بڑھا رہے گا (الاصابہ: ترجمہ عائشہ صدیقہؓ)۔

(۴) اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ بنت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہا وعن ابیہا:

نام ونسب: حفصہ بنت عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزی بن ریاح بن عبداللہ ابن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لؤی القرشیہ العدویہ، کعب پر پہنچ کر باپ کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے۔

(الاِصابۃ: ۵۷۵۲، ۴/ ۴۸۴)

ماں کا نام: والدہ کا نام زینب بنت مظعون جُمحیہ ہے۔

ذاتی حالات: حضرت حفصہؓ خانۂ کعبہ کی تعمیر کے زمانے میں بعثت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں، پہلا نکاح خنیس بن حذافہ سہمیؓ کے ساتھ ہوا، اپنے شوہر خنیس کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئیں، غزوۂ بدر کے بعد خنیس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا، جب حضرت حفصہ بیوہ ہوگئیں تو حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مل کر فرمایا کہ اگر آپ چاہیں تو حفصہ کا نکاح آپ سے کر دوں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سوچ کر جواب دوں گا، اُس کے بعد پھر ملاقات ہوئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عذر کر دیا، کہ میرا اِرادہ نہیں ہے، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ پھر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملا اور عرض کیا کہ اگر آپ چاہیں تو حفصہ کا نکاح آپ سے کر دوں، ابوبکر رضی اللہ عنہ سن کر خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہیں دیا، جس سے مجھ کو اور زیادہ ملال ہوا۔

تین چار ہی دن گزرے ہوں گے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے پیام دیا، میں نے حفصہ کا نکاح آپ ﷺ سے کر دیا، اس کے بعد ابوبکرؓ سے ملنا ہوا، ابوبکر نے فرمایا: اے عمر! شاید تم مجھ سے رنجیدہ ہو، میں نے اس لیے جواب نہیں دیا تھا کہ مجھ کو یہ معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا خود پیام دینے کا خیال ہے، اِس لیے میں نے سکوت کیا، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کے راز کو ظاہر کرنا مناسب نہ تھا، اگر آں حضرت ﷺ نکاح نہ فرماتے تو میں ضرور قبول کر لیتا۔

مشہور اور راجح قول یہ ہے کہ سنہ ۳ ہجری میں آپ ﷺ نے حضرت حفصہؓ سے نکاح فرمایا۔

وفات: ایک قول کے مطابق ''عام الجماعۃ'' (جس سال حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے صلح فرمائی، اُسی سال) سنہ ۴۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی، دوسرا قول یہ ہے کہ شعبان سنہ ۴۵ ہجری میں، حضرت امیر معاویہؓ کے زمانۂ خلافت میں، بعمر ساٹھ سال مدینہ منورہ میں وفات ہوئی اور مروان بن الحکم نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

فضائل ومناقب:

[۱] ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ کو طلاق دے دی، جبرئیلؑ وحی لے کر نازل ہوئے: ارجع حفصة فإنّها صوّامة قوّامة، وإنّها زوجتك في الجنّة (حفصہ سے رجوع کر لیجیے، وہ بڑی روزہ رکھنے والی اور عبادت گذار عورت ہے اور جنت میں آپ کی بیوی ہے) آپ نے رجوع فرمالیا(أخرجه ابن سعد والطبراني برجال الصحيح من مرسل قيس بن سعد، والإصابة:٨/٨٦)۔

[۲] آپؓ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں جمع شدہ مصحف حضرت ابوبکرؓ کے بعد وفات تک آپؓ ہی کے پاس رہا، حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جمعِ قرآن میں مدد کے لیے آپ سے لیا گیا، پھر آپ ہی کو واپس کر دیا گیا)۔(صحیح ابن حبان:۴۵۰۶)

[۳] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ کی ازواج میں صرف حفصہؓ ہی مجھ سے تقابل اور برابری کا معاملہ رکھتی تھیں۔(سیر أعلام النبلاء ۲/۲۲۷)

(۵) اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ ملقّب بہ اُمّ المساکین رضی اللہ عنہا:

نام ونسب: زینب بنت خزیمہ بن عبداللہ بن عمر بن عبد مناف بن ہلال بن عامر ابن صعصعہ ہلالیہ، آپ قریش کے بجائے مضر (قیسِ عیلان) کے خاندان سے ہیں۔

ماں کا نام: ہند بنت عوف بن زہیر حُمیر یہ ہے۔

ذاتی حالات: پہلا نکاح ایک روایت کے مطابق عبداللہ بن جحشؓ سے ہوا، پھر سنہ ۳ ہجری میں اُن کے شہید ہوجانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے نکاح فرمالیا، دوسری روایت یہ ہے کہ آپ کا پہلا نکاح طفیل بن الحارث بن عبدالمطلب سے ہوا تھا، پھر اُن کے انتقال کے بعد اُن کے چھوٹے بھائی عبیدہ بن الحارثؓ سے نکاح ہوگیا، وہ جنگِ بدر میں شہید ہوگئے تو پھر سنہ ۳ھ میں آپ ﷺ نے اُن سے نکاح

فرمالیا، پانچ سو درہم مہر مقرر ہوا۔

وفات: نکاح کے دو تین ہی مہینے گذرے تھے کہ اِنتقال ہوگیا، آنحضرت نے خود نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں، انتقال کے وقت عمر ۳۰ سال تھی۔

(زرقانی ۳/۲۴۹، وعیون الاثر:۲/۳۷۰)

فضائل ومناقب:

[۱] چوں کہ آپ بہت سخی اور فیاض تھیں، اس لیے ایّامِ جاہلیت ہی سے ''اُمّ المساکین'' کہہ کر پکاری جاتی تھیں۔

[۲] آپ: اُم المؤمنین حضرت میمونہؓ کی، حضرت عباسؓ کی زوجہ: ام الفضل لبابہ کبریٰؓ کی، خالد بن ولیدؓ کی والدہ: لبابہ صغریٰؓ کی، حضرت جعفرؓ کی زوجہ (جو بعد میں یکے بعد دیگرے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں بھی رہیں): اَسماء بنت عمیسؓ کی اور حضرت حمزہؓ کی زوجہ: سلمٰی بنت عمیسؓ کی؛ اِن سب کی ماں شریک بہن تھیں، اِس طرح سے یہ تمام بہنیں نہایت مبارک اور سعادت مند واقع ہوئی تھیں کہ اِن سب کو اتنے پاکیزہ رشتے نصیب ہوئے۔

(۶) اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ بنتِ ابی اُمیّہ رضی اللہ عنہا:

نام ونسب: ہند بنت حذیفہ - اَبی اُمیۃ - بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بن یقظۃ بن مرہ بن کعب القرشیۃ المخزومیہ، مرہ پر پہنچ کر باپ کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے۔

کنیت: اُمّ سلمہ۔

ماں کا نام: عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ۔

ذاتی حالات: پہلا نکاح چچازاد بھائی ابوسلمہ بن الاسد مخزومی سے ہوا، انہی کے ساتھ

مشرف باسلام ہوئیں اور حبشہ کی طرف ہجرت کی، پھر وہاں سے مکہ واپس آکر ایک عبرت آمیز اور دلچسپ قصے کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

ابوسلمہ غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے، غزوۂ اُحد میں بازو پر ایک زخم آیا، ایک مہینہ تک اُس کا علاج کرتے رہے، زخم اچھا ہوگیا، غرّہ محرم الحرام سنہ ۴ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے ایک سریہ کا امیر بنا کر روانہ فرمایا، ۲۹ روز کے بعد واپس ہوئے، واپسی کے بعد وہ زخم پھر جاری ہوگیا، اسی زخم سے ۸/ جمادی الاخریٰ سنہ ۴ ہجری میں انتقال کیا (عیون الاثر: ۲/ ۳۷۱)۔

حضرت ابوسلمہؓ سے آپ کی کل چار اولاد ہوئی، دو بیٹے: سلمہ اور عمر اور دو بیٹیاں: دُرَّۃ اور زینب۔

اُمّ سلمہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میرے شوہر ابوسلمہ گھر میں آئے اور کہا کہ آج میں رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث سن کر آیا ہوں جو میرے نزدیک دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہے، وہ یہ کہ جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ "إنّا للّٰه وإنا إليه راجعون" پڑھے اور اس کے بعد یہ دعاء مانگے: اللّٰهمّ عندَكَ أحتَسِبُ مُصِيبَتِي هذه، اللّٰهمّ اخلُفْني فيها بخيرٍ منها (اے اللہ! میں تجھ سے اپنی اس مصیبت میں اجر کی امید رکھتا ہوں، اے اللہ! تو مجھ کو اس کا نعم البدل عطا فرما)۔ تو اللہ ضرور اس کو اس سے بہتر عطا فرمائے گا۔

اُمّ سلمہ فرماتی ہیں کہ ابوسلمہ کے اِنتقال کے بعد یہ حدیث مجھ کو یاد آئی، جب دعا پڑھنے کا اِرادہ کیا تو یہ خیال آیا کہ مجھ کو ابوسلمہ سے بہتر کون ملے گا، مگر چوں کہ رسول اللہ ﷺ کا اِرشاد تھا، اِس لیے پڑھ لیا، چنانچہ اس کا یہ ثمرہ ظاہر ہوا کہ عدت گذرنے پر رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے نکاح کا پیام دیا، جن سے بہتر دنیا میں کوئی بھی نہیں۔

(الإصابۃ: ۲/ ۳۳۵، ورواہ مسلم: ۹۱۸، وابوداود: ۳۱۱۹، والترمذی: ۹۷۷، والنسائی: ۱۸۲۵ مطولاً ومختصراً)

روایات میں آتا ہے کہ جب عدت گذرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے بذریعہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرؓ نکاح کا پیام بھیجا تو اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے چند عذر پیش کیے:

(۱) میری عمر زیادہ ہوگئی ہے۔

(۲) میں عیال دار ہوں، یتیم بچے میرے ساتھ ہیں، اُن کی پرورش کا مسئلہ ہے۔

(۳) میرے اندر غیرت اور ہسکے کا مادہ بہت زیادہ ہے (مبادا آپ کو میری وجہ سے کوئی ناگواری پیش آئے)۔

اور ایک روایت میں یہ عذر بھی ہے کہ میرے اولیاء میں سے یہاں کوئی موجود نہیں ہے۔ یعنی: میں کس سے مشورہ کرکے اور کس کی اِجازت سے یہ فیصلہ کروں؟

آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

(۱) جہاں تک عمر کی بات ہے تو میری عمر تم سے زیادہ ہے۔

(۲) اور جہاں تک عیال اور بچوں کی پرورش کا مسئلہ ہے تو تمہارے عیال ہمارے عیال ہوں گے۔

(۳) اور جہاں تک غیرت کی بات ہے تو میں اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ غیرت (یعنی سوکنوں سے ہسکے کا مادہ اور نازک مزاجی) تم سے جاتی رہی۔

(۴) اور رہی بات اولیاء کی اِجازت کی تو تمہارا کوئی بھی ولی اور سرپرست ایسا نہیں ہوگا جو اِس رشتے کے بارے میں سُنے اور اُس کو ناپسند یا ناگوار ہو، اِس لیے اِس پہلو سے بھی اطمینانِ خاطر رکھو۔

چنانچہ حضرت اُم سلمہؓ نے اِس رشتہ کو منظور فرمالیا اور اپنے بیٹے عمرؓ سے فرمایا: اٹھو اور نکاح کے انتظامات کرو۔

(سیر أعلام النبلاء ۲/ ۲۰۶، وعیون الاثر ۲/ ۳۷، ترجمہ ہند بنت ابی اُمیہ، والإصابۃ :۱۱۸۴۹)

اواخرِ ماہِ شوال سنہ ۴ ہجری میں آپ ﷺ سے نکاح ہوا، آپ ﷺ نے مہر میں کچھ

سامان بھی دیا، جس کی قیمت دس درہم تھی، ابن اسحاق کے بقول: ایک بستر بھی دیا، جس میں بجائے روئی کے کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور ایک رکابی اور ایک پیالہ اور ایک چکی دی۔ (زرقانی:۴/۴۰۲)

وفات: سنِ وفات میں بہت اختلاف ہے، امام بخاری ''تاریخ کبیر'' میں سنہ ۵۸ ہجری قرار دیتے ہیں، واقدی کی رائے سنہ ۵۹ ہجری کی ہے، ابن حبّان کہتے ہیں کہ سنہ ۶۱ ہجری میں جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی، اُس کے بعد انتقال ہوا، ابونعیم کے نزدیک سنہ ۶۲ ہجری میں انتقال ہوا، حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''تقریب'' میں اسی قول کو ''اصح'' قرار دیا ہے، جب کہ ''اِصابہ'' میں ابن حبان کے قول کو ''اقرب'' قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم

مشہور قول کے مطابق اَزواجِ مطہرات میں سب سے آخر میں حضرت اُمّ سلمہؓ ہی کا انتقال ہوا۔ (زرقانی ۴/۴۰۲)

اِنتقال کے وقت عمر ۸۴ سال تھی، پہلے شوہر کے دونوں بیٹوں: عمر اور سلمہ، بھتیجے عبداللہ بن عبداللہ ابن ابی اُمیہ اور بھانجے عبداللہ بن وہب بن زمعہ نے قبر میں اُتارا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ (''الاستیعاب'' لابن عبدالبر: ترجمہ ''ہند بنت ابی امیہ'' برحاشیہ ''الاصابہ'')

فضائل ومناقب:

[۱] آپ رضی اللہ عنہ کا فضل وکمال، حسن وجمال اور عقل وفراست مسلّم تھی۔

[۲] حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہدی ذبح کرنے اور حلق کرانے کا تین بار حکم دیا، مگر کسی نے نہ ہدی ذبح کی اور نہ سر منڈایا، اِس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت حیرت اور رنج ہوا، اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو جب خبر ہوئی تو عرض کیا: یارسول اللہ! صحابہؓ اِس صلح اور فیصلہ سے بہت افسردہ دل ہیں، آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں، آپ اپنی ہدی ذبح کرلیں اور

حلق کرالیں، چنانچہ آپ کا ہدی ذبح کرنا تھا کہ صحابہ نے فوراً اپنے اپنے جانوروں کو ذبح کر لیا اور حلق بھی کرالیا، یہ عقدہ اُمّ المؤمنین اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے رائے اور مشورہ ہی سے حل ہوا، فللّٰہ درھا، ما أکملھا عقلاً وفراسةً!۔

[۳] حسن وجمال کا یہ حال تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو میرے سامنے اُن کے حسن و جمال کا تذکرہ آیا، میں نے کسی حیلے سے جا کر اُن کو دیکھا، تو دید کو شنید سے بڑھ کر پایا، مجھے غیرت کی وجہ سے سخت بے چینی ہوئی، میں نے حفصہؓ سے ذکر کیا تو اُن کو بھی یقین نہیں آیا اور کہنے لگیں کہ تم صرف حسد کے مارے یہ بات کہہ رہی ہو، مگر اُنھوں نے بھی جا کر دیکھا تو میری تصدیق کی۔ (الإصابة: ۸/۳۴۳)

(۷) اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا:

نام ونسب: زینب بنت جحش بن رياب بن يعمر بن صبرة بن كثير بن غنم بن دودان بن أسد بن خزيمة بن مدركة الأسدية، خزیمہ پر پہنچ کر باپ کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے۔

ماں کا نام: أميمة بنت عبد المطلب القرشية الهاشمية۔

ذاتی حالات: حضرت زینب بنت جحشؓ آنحضرت ﷺ کی حقیقی پھوپھی زاد بہن تھیں، نام برّہ تھا، مگر آپ ﷺ نے نکاح کے بعد زینب نام تجویز فرما دیا تھا۔

(الإصابة: ۱۱۲۲۷)

آپ ﷺ کی زوجیت میں آنے سے پہلے آپ ﷺ کے متبنّٰی اور آزاد کردہ غلام زید بن حارثہؓ کے عقد میں تھیں۔

دراصل عرب میں مدت سے ایک بڑا دستور چلا آ رہا تھا کہ جس کو متبنّٰی (منہ بولا بیٹا)

بنالیں اُس کی مطلقہ بیوی (یا بیوہ) سے نکاح کرنے کو غایت درجہ معیوب سمجھتے تھے، خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اِس رسمِ بد کو آنحضرت ﷺ کے فعل اور عمل سے مٹادیں، اِس کے لیے قصہ یہ پیش آیا کہ:

پہلے آپ ﷺ نے اپنے متبنّٰی حضرت زید رضی اللہ عنہ کے لیے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں پیغامِ نکاح دیا، جو ایک نہایت شریف اور معزز خاندان سے تھیں اور اہلِ عرب بالخصوص قریش، موالی (آزاد کردہ غلاموں) سے مناکحت کو اپنے لیے باعث ننگ و عار سمجھتے تھے، اِس لیے جب آنحضرت ﷺ نے یہ پیغام دیا تو حضرت زینب اور اُن کے بھائی نے صاف اِنکار کر دیا، اِس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ، وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا﴾ [الأحزاب:۳۶]۔

اِس آیت میں مؤمن سے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ، یعنی حضرت زینب کے حقیقی بھائی مراد ہیں اور مؤمنہ سے خود حضرت زینب رضی اللہ عنہا مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ کسی مؤمن اور مؤمنہ کے لیے اِس کی گنجائش نہیں کہ جب اللہ اور اُس کا رسول کوئی فیصلہ کر دے تو اُس پر راضی نہ ہوں۔

اِس آیت کے نزول کے بعد یہ دونوں راضی ہو گئے اور خدا کے حکم کے موافق زینب کا نکاح زید کے ساتھ ہو گیا، نکاح تو ہو گیا، مگر مزاجی موافقت نہ ہو سکی اور زید ہمیشہ آنحضرت ﷺ سے زینب کی بے اعتنائی کا شکوہ کیا کرتے اور عرض کرتے کہ میں زینب کو چھوڑ دیتا ہوں، مگر آنحضرت ﷺ زید کو طلاق دینے سے منع فرماتے اور کہتے کہ تم نے میری خاطر سے اس تعلق کو قبول کیا ہے، اِس لیے اب چھوڑنے سے اور ذلت ہوگی اور مجھے اپنے خاندان میں ندامت اور شرمندگی ہوگی۔

مگر جب بار بار یہ جھگڑے اور قضیے پیش آتے رہے تو آپ ﷺ کے دل میں یہ خیال

گذرا کہ اگر زید نے زینب کو طلاق دے دی تو زینب کی دلجوئی بغیر اِس کے ممکن نہیں کہ میں خود اُن سے نکاح کروں، لیکن جاہلوں اور منافقوں کی بدگوئی کا اندیشہ بھی تھا کہ یہ لوگ یہ طعنہ دیں گے کہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا، دریں اثنا آپ کو بذریعۂ وحی مطلع کردیا گیا کہ زینب آپ کے نکاح میں آئیں گی۔

آخر کار ایک دن زید نے آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نے تنگ آکر زینب کو طلاق دے دی ہے، آنحضرت ﷺ خاموش ہو گئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب زینب رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہوگئی تو آنحضرت ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ ہی کو حکم دیا کہ تم خود جا کر زینب سے میرے نکاح کا پیغام دو (تاکہ یہ اَمر خوب واضح ہو جائے کہ یہ جو کچھ ہوا وہ زید کی رضامندی سے ہوا ہے)۔

حضرت زید آپ کے نکاح کا پیغام لے کر زینب کے گھر گئے اور دروازہ کی طرف پشت کر کے کھڑے ہوئے (حالاں کہ حجاب اور پردہ کا حکم ابھی نازل نہ ہوا تھا، مگر یہ ان کا کمالِ ورع اور غایتِ تقویٰ تھا) اور کہا: اے زینب! مجھے رسول اللہ ﷺ نے تم سے اپنے نکاح کا پیغام دے کر بھیجا ہے۔

حضرت زینب نے فی البدیہ جواب دیا کہ میں اُس وقت تک کچھ نہیں کر سکتی، جب تک میں اپنے پروردگار عز وجل سے مشورہ (یعنی اِستخارہ) نہ کرلوں، اُسی وقت اُٹھیں اور گھر میں جو جگہ مسجد کے نام سے عبادت کے لیے مخصوص کر رکھی تھی وہاں جا کر مشغول استخارہ ہوگئیں۔

چوں کہ حضرت زینب نے اس بارہ میں کسی مخلوق سے مشورہ نہیں کیا تھا، بلکہ صرف خدائے عز وجل سے مشورہ چاہا اور اُسی سے خیر طلب کی، اِس لیے خدائے عز وجل نے اپنی خاص ولایت سے آسمان پر فرشتوں کی موجودگی میں آنحضرت ﷺ کا نکاح حضرت زینب سے کردیا، جس کی اِطلاع اِس آیت میں فرمائی گئی ہے: ﴿فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا

﴿زَوَّجْنَاكَهَا﴾ [الاحزاب:۳۷] (پس جب زید زینب سے اپنی حاجت پوری کر چکے- اور اُن کو طلاق دے دی- تو ہم نے زینب کا نکاح آپ سے کر دیا)۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ حضرت زینبؓ کے گھر تشریف لے گئے اور بلا اِذن داخل ہوئے۔

(رواہ مسلم: ۱۴۲۸، واحمد: ۱۳۰۲۵، والنسائی: ۳۲۵۱، وفتح الباری ۸/۴۰۰، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ: ﴿وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ﴾، بحوالہ ''سیرۃ المصطفی'' ۳/۳۱۳)

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے کہ یہ آیتیں نازل ہوئیں، جب وحی کا نزول ہو چکا تو آپ ﷺ مسکراتے ہوئے ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کون ہے جو جا کر زینب کو بشارت سنائے، اور ﴿وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ﴾ سے اخیر تک یہ آیتیں آپ نے ہم پر تلاوت فرمائیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ آیتیں آپ تلاوت فرما چکے تو مجھ کو یہ خیال آیا کہ زینب میں جمال تو تھا ہی، اَب وہ اِس پر بھی فخر کریں گی کہ اُن کا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمان پر کیا۔ (الاصابۃ)

اِس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت زینب کے ہاں جانے سے پیشتر قاصد کے ذریعہ سے اُن کو اِطلاع کرا دی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نکاح کے بارے میں یہ آیتیں نازل فرمائی ہیں، چنانچہ ابن سعد کی روایت میں ہے کہ جس وقت حضرت زینبؓ کو یہ خبر پہنچی تو سجدۂ شکر کیا (طبقاتِ ابن سعد ۸/۸۱، والاصابۃ: ۱۱۲۲۷)۔

حضرت زینبؓ سے آپ ﷺ کے نکاح کا یہ قصہ ۴ھ میں اور ایک قول کے مطابق ۵ھ میں پیش آیا، نکاح کے وقت حضرت زینبؓ کی عمر ۳۵ سال تھی، مہر چار سو درہم مقرر ہوا۔

چوں کہ یہ نکاح اللہ عز وجل نے اپنی خاص ولایت سے فرمایا اور پھر اُس کے بارے میں قرآن کی آیتیں بھی نازل فرمائیں؛ اِس لیے آنحضرت ﷺ نے اِس نکاح کے ولیمہ میں خاص اہتمام فرمایا، چنانچہ صحیح بخاری (۵۱۶۸) ومسلم (۱۴۲۸) میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی بیوی کے ولیمہ میں اِس قدر اہتمام نہیں فرمایا جس قدر کہ حضرت زینب بنت جحشؓ کے ولیمہ میں فرمایا، کیوں کہ اُن کے ولیمہ میں ایک بکری ذبح فرمائی، لوگوں کو مدعو کیا اور پیٹ بھر کر لوگوں کو گوشت اور روٹی کھلائی۔

وفات: صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا کہ تم میں سب سے جلد مجھ سے وہ ملے گی جس کا ہاتھ تم میں سب سے زیادہ لانبا ہوگا۔

آنحضرت ﷺ کا اِشارہ سخاوت اور فیاضی کی طرف تھا، لیکن ازواجِ مطہرات نے اس کو ظاہر پر محمول کیا، چنانچہ آپ کی وفات کے بعد ازواجِ مطہرات جب جمع ہوتیں تو باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتیں کہ کس کا ہاتھ لمبا ہے؟ تو بظاہر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ سب سے لمبا دکھتا تھا۔

مگر جب حضرت زینبؓ جو قد میں چھوٹی تھیں، سب سے پہلے اُن کا انتقال ہوا تب معلوم ہوا کہ حضرت زینب کا ہاتھ صدقہ اور خیرات میں سب سے لمبا تھا، کیوں کہ وہ دباغت کا کام جانتی تھیں، اپنے دست وبازو سے کماتی تھیں، اس سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ سب خدا کی راہ میں خیرات کر دیتی تھیں۔ (بخاری: ۱۴۲۰ مع "فتح الباری"، ومسلم: ۲۴۵۲)

۲۰ھ میں مدینہ منورہ میں اِنتقال کیا، حضرت عمرؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی، اِنتقال کے وقت عمر پچاس، یا ترپین سال تھی۔

فضائل ومناقب:

[۱] حضرت زینبؓ اَزواجِ مطہرات سے بہ طور فخر کہا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے اولیاء نے کیا اور میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر کیا۔

(رواہ الترمذي: ۳۲۱۳، وصحّحہ من حدیث أنس)

[۲] شعبیؒ کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ حضرت زینبؓ رسول اللہ ﷺ سے کہا کرتی تھیں، یارسول اللہ! میں تین وجہ سے آپ کے سامنے ناز کرتی ہوں:

(۱) میرے اور آپ کے جدامجد ایک ہی ہیں، یعنی عبدالمطلب (جو حضور ﷺ کے تو دادا تھے اور حضرت زینبؓ کے نانا تھے)۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے آپ کا نکاح مجھ سے آسمان پر فرمایا۔

(۳) جبرئیل امین اس بارے میں ساعی (کوشش کرنے والے) رہے۔

[۳] ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں تشریف لے گئے، حضرت عمرؓ بھی ہمراہ تھے، دیکھا کہ حضرت زینبؓ نماز اور دعاء میں مشغول ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: إنّها لَأوّاهةٌ (تحقیق یہ بڑی عبادت گذار اور آہیں بھرنے والی ہے)۔ [رواہ الطبراني ۲۴: ص۳۹، رقم (۱۰۸)، وإسنادہ منقطع، وفیہ یحیی بن عبد اللّٰہ البابلتي، وھو ضعیف. قالہ الھیثمي]۔

[۴] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ زینبؓ مرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی تھیں، رسول اللہ ﷺ کے نزدیک وہ میری ہم پلہ تھیں، میں نے اُن سے زیادہ کسی عورت کو دین دار اور خدا سے زیادہ ڈرنے والی اور زیادہ سچ بولنے والی اور زیادہ صلہ رحمی کرنے والی اور زیادہ صدقہ اور خیرات کرنے والی نہیں دیکھی۔

زہریؒ کی روایت میں اِس قدر اور زیادتی ہے: اور نہ اُن سے زیادہ محنت کر کے

صدقہ کرنے والی اور نہ اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے والی کوئی عورت اُن سے بڑھ کر دیکھی۔

[۵] عمرہؒ کہتی ہیں کہ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوگیا تو میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ کہتے سنا: لقد ذهبت حميدة متعبدة مفزع اليتامى والأرامل [طبقاتِ ابن سعد ۸/۸۷] (افسوس آج ایسی عورت گذرگئی جو نہایت پسندیدہ اوصاف والی، انتہائی عبادت گزار اور یتیموں اور بیواؤں کا ٹھکانہ تھی)۔

[۶] منافقین نے جب حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی، تو رسول اللہ ﷺ نے مختلف لوگوں سے حضرت عائشہؓ کے متعلق سوال کیا، اُنہی میں حضرت زینبؓ سے بھی دریافت کیا، جو حضرت عائشہؓ کی خاص سوکن بھی تھیں اور اُن سے رقابت والی چشمک بھی چلتی رہتی تھی، مگر اس کے باوجود حضرت زینبؓ نے جواب نفسانیت اور عداوت سے بالکل پاک صاف دیا اور عرض کیا: يا رسول الله! أحمي سمعي وبصري، والله ما علمت عليها إلا خيراً [بخاری: ۲۶۶۱، ومسلم: ۲۷۷۰] (یارسول اللہ! میں اپنے کان اور آنکھ کو محفوظ رکھتی ہوں، خدا کی قسم عائشہؓ کے متعلق سوائے خیر اور بھلائی کے کچھ نہیں جانتی)۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے اِس جواب سے بہت متاثر تھیں اور اس کی بڑی قدر فرماتی تھیں اور فرماتی تھیں: فعصمها الله بالورع (اللہ تعالیٰ نے ورع اور پرہیزگاری کی بدولت زینبؓ کو اِس فتنہ سے محفوظ رکھا)۔

[۷] اُم المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضرت زینبؓ کے متعلق فرماتی ہیں: كانت صالحة صوّامة قوّامة صناعاً تصدق بذلك كلّه على المساكين [الإصابة: ترجمة زینب بنت جحش] (بڑی نیک، بڑی روزہ رکھنے والی اور بڑی تہجد گذار خاتون تھیں، دست کار تھیں اور اُس سے جو کماتی تھیں سب کا سب مساکین پر صدقہ کردیتی تھیں)۔

[الاصابہ، ص: ۱۵۴، ج: ۸] [سیرۃ المصطفیٰ ۳/۳۲۶]

(۸) اُمّ المؤمنین حضرت جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

نام ونسب: جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار مُخزاعیہ مصطلقیہ یمانیہ۔

ماں کا نام: دستیاب نہیں ہوسکا۔

ذاتی حالات: پہلا نکاح مسافع بن صفوان مصطلقی سے ہوا تھا، جو غزوۂ مریسیع میں مارا گیا، اس غزوہ میں جہاں اور بہت سے بچے اور عورتیں گرفتار ہوئے، ان میں جویریہ بھی تھیں، آنحضرت ﷺ نے اُن کو آزاد کرکے اپنی زوجیت میں لے لیا اور ایک روایت میں ہے کہ اُن کی اور اُن کی قوم کی آزادی ہی کو مہر قرار دیا، ۵ھ میں آپ کی زوجیت میں آئیں، اُس وقت آپ بیس سال کی تھیں۔

نکاح کے وقت آپؓ کا نام برّہ تھا، جس کو آپ ﷺ نے جویریہ سے تبدیل فرمادیا۔

وفات: ربیع الاوّل ۵۰ھ، یا ۵۶ھ میں ۶۵ سال کی عمر میں اِنتقال ہوا، مروان بن حکم (یا سعید بن العاصؓ) نے جو اُس وقت امیر مدینہ تھے نمازِ جنازہ پڑھائی اور مدینہ منورہ کے مشہور قبرستان جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

(سیر أعلام النبلاء ۲/۲۶۲، والإصابۃ: ترجمہ ام المؤمنین جویریہؓ)

فضائل ومناقب:

عبادت کا خاص ذوق تھا، عبادت کے لیے مسجد کے نام سے گھر میں ایک جگہ مخصوص کر رکھی تھی، ترمذی میں باسنادِ صحیح بروایت عبداللہ بن عباس، حضرت جویریہ سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ علی الصبح تشریف لائے، میں اپنی مسجد میں مشغولِ عبادت تھی، آپ واپس چلے گئے، قریب نصف النہار کے پھر تشریف لائے اور مجھ کو اسی طرح مشغولِ عبادت دیکھا، فرمایا: کیا تم اُس وقت سے اِس وقت تک اسی حالت میں ہو؟ میں

نے کہا: جی، آپ نے فرمایا: میں تم کو کچھ کلمات بتلائے دیتا ہوں وہ پڑھ لیا کرو، وہ کلمات یہ ہیں:

سبحان اللّٰہ عددَ خَلقِہ تین بار۔ سبحان اللّٰہ رِضا نفسہ تین بار۔ سبحان اللّٰہ زِنۃَ عرشِہ تین بار۔ سبحان اللّٰہ مِدادَ کلماتہ تین بار۔

مسلم اور ابوداود کی روایت میں ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ میں نے تیرے بعد چار کلمے تین بار کہے ہیں، اگر اُن کو تیری تمام تسبیحوں کے ساتھ تولا جائے جو تو نے صبح سے اس وقت تک پڑھی ہیں تو وہ چار کلمات وزن میں بڑھ جائیں گے۔

وہ کلمات یہ ہیں:

سبحان اللّٰہ وبحَمدِہٖ عددَ خَلقِہٖ وَ رِضانفسہٖ وزِنَۃَ عرشِہ ومِدادَ کلماتہٖ۔ (زرقاني: ٤/٤٢٥، بحواله سيرة المصطفى ٣/٣٤٠)

(۹) اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ حبیبہ رملہ بنتِ ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

نام ونسب: رَملہ بنت ابی سفیان-صخر- بن حرب بن اُمیہ بن عبد شمس بن عبد مناف القرشیہ الامویہ، عبد مناف پر پہنچ کر باپ کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے۔

کنیت: اُمّ حبیبہ۔

ماں کا نام: صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ تھا، جو حضرت عثمانؓ کی پھوپھی تھیں۔

ذاتی حالات: بعثت سے ۱۷ سال قبل ولادت ہوئی، پہلا نکاح عبید اللہ بن جحش الاسدی سے ہوا، دونوں ہی ابتدا ہی میں اسلام لے آئے اور حبشہ کی طرف ہجرت کی، وہاں جا کر ایک لڑکی پیدا ہوئی، جس کا نام حبیبہ رکھا اور اُسی کے نام پر اُم حبیبہ کنیت رکھی گئی اور پھر

اُسی کنیت سے مشہور ہوئیں، چند روز بعد عبید اللہ بن جحش تو اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی بن گیا، مگر اُمّ حبیبہؓ برابر اِسلام پر قائم رہیں۔

امّ حبیبہ کہتی ہیں کہ عبید اللہ کے نصرانی ہونے سے پہلے میں نے اس کو نہایت بری اور بھیانک شکل میں خواب میں دیکھا، بہت گھبرائی، جب صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ عیسائی ہو چکا ہے، میں نے یہ خواب بیان کیا (کہ شاید متنبہ ہو جائے)، مگر کچھ توجہ نہیں کی اور شراب و کباب میں برابر منہمک رہا، حتی کہ اسی حالت میں انتقال ہو گیا، نعوذ باللہ من الکفر والشرك والنفاق بعد الإیمان، ومن الحور بعد الکور۔

چند روز کے بعد خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص ''یا اُمّ المؤمنین'' کہہ کر آواز دے رہا ہے، جس سے میں گھبرائی، عدت کا ختم ہونا تھا کہ یکا یک رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ خواب دیکھ کر میں گھبرائی، لیکن معاً ہی یہ تعبیر ذہن میں آئی کہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے نکاح فرمائیں گے۔

اُدھر رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن اُمیہ ضمریؓ (اور ایک روایت کے مطابق شُرحبیل بن حسنہؓ) کو نجاشیؓ شاہِ حبشہ کے پاس یہ کہلا کر بھیجا کہ اگر اُمّ حبیبہ مجھ سے نکاح کرنا چاہیں تو تم بہ طور وکیل نکاح پڑھوا کر میرے پاس بھیج دو، نجاشی نے اپنی باندی ابرہہ کے ذریعہ یہ پیغام اُمّ حبیبہ کے پاس پہنچوایا، اُمّ حبیبہؓ نے اِس پیام کو منظور کیا اور خالد بن سعید بن العاص امویؓ (اور ایک روایت کے مطابق عثمان بن عفانؓ) کو اپنا وکیل مقرر کیا۔

اور اِس بشارت اور خوش خبری کے اِنعام میں ہاتھوں کے دونوں کنگن اور پیروں کی پازیب اور انگلیوں کے چھلے جو سب نقرئی تھے ابرہہ کو دے دیئے، جب شام ہوئی تو نجاشیؓ نے حضرت جعفرؓ اور تمام مسلمانوں کو جمع کر کے خود خطبۂ نکاح پڑھا اور آپ ﷺ کے اِرشاد کے مطابق آپ کا نکاح اُمّ حبیبہ سے کر دیا اور چار سو دینار مہر مقرر کیا اور اسی وقت وہ چار سو

دینار خالد بن سعید اموی ؓ کے حوالے کر دیئے۔

لوگوں نے اُٹھنے کا ارادہ کیا، نجاشی نے کہا کہ ابھی بیٹھیے، حضراتِ انبیاء کی سنت یہ ہے کہ نکاح کے بعد ولیمہ بھی ہونا چاہیے، چنانچہ کھانا آیا اور دعوت سے فارغ ہو کر سب رخصت ہوئے۔

مہر کی رقم جب حضرت امّ حبیبہ کے پاس پہنچی تو ابرہہ کو بلا کر پچاس ۵۰ دینار اور دیئے، ابرہہ نے یہ پچاس ۵۰ دینار اور وہ زیور جو پہلے دیا گیا تھا یہ کہہ کر سب واپس کر دیا کہ بادشاہ نے مجھ کو تاکید کر دی ہے کہ آپ سے کچھ نہ لوں اور آپ یقین کیجیے کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کی پیرو ہو چکی ہوں اور اللہ عز وجل کے لیے دینِ اسلام کو قبول کر چکی ہوں اور آج بادشاہ نے اپنی تمام بیگمات کو حکم دیا کہ ان کے پاس جو خوشبو اور عطر ہو اُس میں سے ضرور آپ کے پاس ہدیہ بھیجیں۔

چنانچہ دوسرے روز ابرہہ بہت سی عود اور عنبر وغیرہ لے کر آپ کے پاس آئی، ام حبیبہ فرماتی ہیں کہ میں نے وہ عود اور عنبر سب رکھ لیا اور اپنے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائی۔

اس کے بعد ابرہہ نے کہا کہ میری ایک درخواست ہے، وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ سے میرا اسلام کہہ دینا اور یہ عرض کر دینا کہ میں آپ کے دین کی پیرو ہو گئی ہوں۔

اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میری روانگی تک ابرہہ کا یہ حال رہا کہ جب آتی تو یہ کہتی کہ دیکھو میری درخواست کو بھول نہ جانا، چنانچہ جب مدینہ پہنچی تو یہ تمام حالات اور واقعات آپ سے بیان کیے، آپ مسکراتے رہے، اخیر میں ابرہہ کا سلام پہنچایا، آپ نے فرمایا: وعلیہا السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

(طبقاتِ کبریٰ لابن سعد ۸/۷۷، والإصابہ ۸/۱۴۰، وسیرۃ المصطفیٰ ۳/۳۴۴)

وفات: مشہور قول کے مطابق ۴۴ھ میں انتقال ہوا اور مدینہ منورہ میں مدفون ہوئیں،

بعض کہتے ہیں کہ دمشق میں اِنتقال ہوا، مگر صحیح یہی ہے کہ مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔

آنحضرت ﷺ سے نکاح کے وقت آپؓ کی عمر سینتیس ۳۷ سال تھی اور وفات کے وقت چوہتر ۷۴ سال۔

فضائل ومناقب:

[۱] اَزواجِ مطہرات میں رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ نسبی قربت حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا ہی کو حاصل ہے۔

[۲] اَزواجِ مطہرات میں سب سے زیادہ مہر آپؓ ہی کا مقرر ہوا، یعنی چار سو دینار۔

[۳] رسول اللہ ﷺ نے آپؓ سے غربت اور مسافرت میں غائبانہ طور پر نکاح فرمایا، بادشاہِ وقت (نجاشیؓ) نے خطبۂ نکاح پڑھا اور اپنے ذاتی مال سے ولیمہ منعقد کیا اور مہر ادا کیا۔

[۴] حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اُم حبیبہؓ نے اِنتقال کے وقت مجھ کو بلایا اور کہا کہ باہم سوکنوں میں جو کچھ پیش آتا ہے وہ تم کو معلوم ہے، میری طرف سے جو کچھ ہوا ہو وہ معاف کرنا، اللہ تعالیٰ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے۔ میں نے کہا سب معاف ہے، اللہ تعالیٰ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے، ام حبیبہؓ نے فرمایا: اے عائشہ! تم نے مجھ کو خوش کیا، اللہ تعالیٰ تم کو خوش رکھے۔

پھر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے بھی یہی گفتگو ہوئی۔

(طبقاتِ ابن سعد ۸/۹۷، وسیر أعلام النبلاء ۲/ ۲۱۸، والإصابہ، ترجمہ: رَملہ بنت ابی سفیان)

(۱۰) اُمّ المؤمنین حضرت صفیہ بنت حُیی بن اخطب رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

نام ونسب: صفیہ حُیی بن اَخطب بن سعیۃ اِسرائیلیہ نضیریۃ، اَز: اولادِ ہارون علیہ السلام۔

ماں کا نام: بَرۃ بنت سموأل قُرظیہ۔

ذاتی حالات: حضرت صفیہؓ سردار بنی نضیر کی بیٹی تھیں، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔

پہلا نکاح سلام بن مشکم قرظی سے ہوا، سلام کے طلاق دینے کے بعد کنانہ بن ابی الحقیق سے نکاح ہوا، کنانہ غزوۂ خیبر میں مقتول ہوا اور یہ گرفتار ہوئیں، اُس وقت آپؓ کی عمر سترہ سال تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا اور یہی اُن کا مہر قرار پایا، خیبر سے چل کر آپ مقامِ صہبا میں اُترے جو خیبر سے ایک منزل کے فاصلے پر ہے، وہاں پہنچ کر عروسی فرمائی اور یہیں ولیمہ فرمایا۔

جب مدینہ پہنچے تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حارثہ بن النعمانؓ کے مکان میں اتارا گیا، اُن کے حسن و جمال کو سن کر انصار کی عورتیں دیکھنے آئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی نقاب اوڑھ کر آئیں، مگر آنحضرت ﷺ نے پہچان لیا اور جب واپس ہوئیں تو پوچھا کہ اے عائشہ! کیا دیکھا؟ کہا ہاں ایک یہودیہ کو دیکھ آئی ہوں، آپ نے فرمایا: ایسا مت کہو، وہ اسلام لے آئی ہے اور اس کا اسلام نہایت اچھا اسلام ہے۔

وفات: راجح قول کے مطابق ماہِ رمضان المبارک ۵۰ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔

فضائل ومناقب:

[۱] حضرت صفیہؓ جب آپ ﷺ کی زوجیت میں آئیں، تو آپ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ پر ایک نیلا نشان دیکھا، آپ نے دریافت فرمایا: یہ کیسا نشان ہے؟ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ایک روز میں اپنے شوہر کی گود میں (اور ایک روایت کے مطابق: ماں کی گود میں) سر رکھے ہوئے سو رہی تھی، کہ یہ خواب دیکھا کہ چاند میری گود

میں آکر گرا ہے، یہ خواب میں نے اپنے شوہر کنانہ بن ابی الحقیق (یا اپنی ماں) سے بیان کیا، اُس نے زور سے میرے ایک طمانچہ مارا اور کہا تو یثرب کے بادشاہ کی تمنا کرتی ہے؟! اِشارہ نبی علیہ الصلاۃ والتسلیم کی طرف تھا۔

(أخرجه ابن حبان: ٥١٩٩، والطبراني ٢٤/٦٧، برجال الصّحيح كلاهما عن ابن عمرؓ)

[۲] ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ حضرت صفیہؓ کے پاس تشریف لے گئے، دیکھا کہ رو رہی ہیں، دریافت فرمایا: کیوں روتی ہو؟ عرض کیا کہ عائشہ اور حفصہ مجھ کو چھیڑتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی نظر میں زیادہ مکرّم اور محترم ہیں، اِس لیے کہ ہم آپ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کے خاندان (قریش) کی بھی ہیں۔

آپ نے فرمایا: تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ تم مجھ سے بہتر کیسے ہو سکتی ہو؟ کہ میرے باپ حضرت ہارون علیہ السلام ہیں اور میرے تایا حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور میرے شوہر محمد ﷺ ہیں، تو گویا مجھے حضور کی زوجیت کے ساتھ ساتھ، دو دو نبیوں کی اولاد میں سے ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

(أخرجه الترمذي: ٣٨٩٢ عن صفية)

[۳] حضرت سعید بن میسّبؒ سے مرسلاً مروی ہے کہ جب حضرت صفیہؓ مدینہ آئیں تو آپ کے کانوں میں سونے کا کچھ زیور تھا، اس میں سے کچھ حضرت فاطمہ کو دے دیا اور کچھ اور عورتوں کو۔ (أخرجه ابن سعد ٨/ ١٠٠ بسند صحيح)

سبحان اللہ! پیغمبر کی زوجیت میں آئیں اور دنیا کا قصہ ختم کیا۔

[۴] رسول اللہ ﷺ کے مرض الوفات میں ایک مرتبہ تمام اَزواجِ مطہرات آپ کے پاس جمع ہوئیں، حضرت صفیہؓ نے عرض کیا، کہ اے اللہ کے نبی! میری تمنا اور آرزو ہے کہ آپ کے بدلہ میں یہ تکلیف مجھ کو ہو جائے۔ اَزواجِ مطہرات نے آپس میں ایک دوسرے

کی طرف (طنزیہ) اشارہ کیا، آپ نے دیکھ لیا اور فرمایا: واللّٰہ إنّہا لصادقۃ (خدا کی قسم یہ اپنی بات میں بالکل سچی ہے)۔ (أخرجہ ابن سعد ۱۰۱/۸ بسند حسن)

[۵] ابوعمر بن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت صفیہؓ بڑی عقلمند، برد بار اور صاحبِ فضل و کمال عورت تھیں، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت صفیہ کی ایک باندی نے حضرت عمرؓ سے جا کر یہ کہہ دیا کہ حضرت صفیہ یہودیوں کی طرح ''ہفتہ'' (سبت) کے دن کو محبوب رکھتی ہیں اور یہود کے ساتھ حسنِ سلوک کرتی ہیں۔ آپؓ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کرایا، حضرت صفیہ نے فرمایا: جب سے اللہ نے مجھ کو ہفتہ کے بدلہ میں جمعہ عطا فرمایا ہے اُس روز سے میں نے ہفتہ کو کبھی پسند نہیں کیا۔ رہے یہود سو اُن سے میری قرابتیں ہیں، اِس لیے اُن کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں۔

حضرت عمر کو تو یہ جواب کہلا بھیجا، اس کے بعد اُس باندی سے دریافت کیا کہ تجھے اس کہنے پر کس نے آمادہ کیا؟ باندی نے اُس وقت سچ سچ کہہ دیا، کہ شیطان نے آمادہ کیا، حضرت صفیہ نے باندی سے فرمایا: اچھا جاؤ تم آزاد ہو۔

(سیر أعلام النبلاء ۲/ ۲۳۱، والإصابۃ ۸/ ۲۱۰، وسیرۃ المصطفی ۳/ ۳۴۸)

(۱۱) اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

نام ونسب: میمونہ بنت الحارث بن حزن بن بُجیر بن الہُزم بن رُویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ الہلالیہ۔

حضرت زینب بنت خزیمہؓ ہی کی طرح آپؓ بھی قریش کے بجائے مضر (قیسِ عیلان) کے خاندان سے ہیں۔

ماں کا نام: ہند بنت عوف بن زہیر الحمیریہ ہے۔

اور یہ بات حضرت زینب بنت خزیمہؓ کے تذکرے میں پہلے گذر چکی ہے کہ اُم

المؤمنین میمونہ بنت الحارث، اُم المؤمنین زینب بنت خزیمہ، اُم الفضل (لبابہ الکبریٰ)، اُم خالد (لبابہ الصغریٰ)، اَسماء بنت عُمیس، سلمٰی بنت عُمیس رضی اللہ عنہن؛ یہ سب آپس میں ماں شریک بہنیں تھیں۔

ذاتی حالات: آپؓ کا پہلا نکاح مسعود بن عمرو ثقفی سے اُن کے اِسلام لانے سے قبل ہوا تھا، پھر دونوں میں جلد ہی علیحدگی ہوگئی، اُس کے بعد دوسرا نکاح ابورُہم بن عبدالعزّیٰ سے ہوا، لیکن وہ جلد ہی فوت ہوگیا، پھر عمرۃ القضاء کے موقع پر ذی قعدہ ۷ھ میں آپ ﷺ نے آپؓ سے نکاح فرمایا، پانچ سو درہم مہر مقرر ہوا۔

نکاح کے وقت آپؓ کا نام برہ تھا، آپ ﷺ نے بدل کر میمونہ تجویز فرمایا۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت میمونہؓ کو پیامِ نکاح دیا تو اُنھوں نے (اپنے بہنوئی) حضرت عباسؓ کو اپنا وکیل مقرر کیا، چنانچہ حضرت عباسؓ نے آپ ﷺ سے میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کردیا۔

روایات اِس بارے میں مختلف ہیں کہ نکاح کے وقت آپ ﷺ حالتِ اِحرام میں تھے یا حلال تھے، حنفیہ اور امام بخاری کے نزدیک راجح یہی ہے کہ نکاح کے وقت آپ محرِم تھے۔

مکہ سے چل کر آپ مقام ''سَرِف'' میں ٹھہرے اور وہاں پہنچ کر عروسی فرمائی۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح اور عروسی دونوں مقام سرف ہی میں ہوئی۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ آپ کے نکاح میں آنے والی آخری خاتون تھیں، جن کے بعد آپ نے پھر کسی اور سے نکاح نہیں فرمایا۔

وفات: ۴۹ھ یا ۵۰ھ میں مقامِ سرف میں اُسی جگہ انتقال ہوا جہاں عروسی ہوئی تھی اور وہیں دفن بھی ہوئیں، عبداللہ بن عباسؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

قبر میں عبداللہ بن عباس، یزید بن اصم، عبداللہ بن شداد اور عبیداللہ خولانی نے اتارا،

تین اوّل الذکر آپ کے بھانجے تھے اور چوتھے آپ کے پروردہ یتیم تھے۔

(طبقاتِ ابن سعد ۸/۱۰۴، وسیر أعلام النبلاء ۲/۲۳۸، والإصابہ ۸/۳۲۲)

فضائل ومناقب:

[۱] ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: الأخوات مؤمنات: میمونة، وأم الفضل، وأسماء [ابن سعد ۸/ ۱۰۹ بسند صحیح] (میمونہ، اُم الفضل اور اَسماء؛ یہ سب بہنیں ایمان والیاں ہیں)۔

[۲] آپؓ سے نکاح چوں کہ مکہ مکرمہ کے قریب عمرۃ القضاء کے موقع پر ہوا تھا، اِس لیے آپ ﷺ نے ولیمہ میں کفارِ مکہ کو بھی بلانا چاہا تھا، مگر اُنھوں نے اِنکار کردیا، پھر آپ نے ساتھ موجود صحابہؓ کی دعوت فرمائی، جن کی تعداد پندرہ سو کے قریب تھی۔

(أسد الغابة ۷/۲٦۲، وفتح الباري ۹/۲۳۸ باب مَن أولَم على بعض نسائه أكثر من بعض)

[۳] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اُن کے بارے میں فرماتی ہیں: أما إنها كانت مِن أتقانا لله، وأوصلنا للرحم [طبقاتِ ابن سعد ۸/ ۱۰۱، ومستدرکِ حاکم ۴/۳۴] (سنو! یقیناً وہ ہم اَزواج میں بہت زیادہ تقویٰ والیوں اور بہت زیادہ صلہ رحمی کرنے والیوں میں سے تھیں)۔

ام ولد: حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

ویسے تو آپ ﷺ کی دو باندیاں ایسی تھیں جن سے آپ صحبت ومقاربت فرمایا کرتے تھے: ایک حضرت ماریہ قبطیہؓ، دوسری حضرت ریحانہ نضیریہؓ۔

مگر دونوں میں سے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو یہ شرف اور اِمتیاز حاصل ہے کہ اِن سے آپ ﷺ کی اولاد ہوئی، اِس لیے آپؓ کا مستقل تذکرہ مختصر طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

نام ونسب: ماریہ بنت شمعون القبطیہ المصریہ۔

ماں کا نام: والدہ رومی النسل تھیں، نام معلوم نہیں ہوسکا۔

ذاتی حالات: ۷ھ، یا ۸ھ میں اِسکندریہ (مصر) کے بادشاہ مُقوقِس نے آپ ﷺ کے دعوتی والا نامہ کے جواب میں حضرت حاطب بن ابی بلتعۃؓ کے ذریعہ نہایت قیمتی تحفے اور ہدایا آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجے، اُن ہی میں دو باندیاں بھی تھیں: ایک ماریہ، دوسری شیریں (سیرین)۔

حضرت ماریہؓ کے والد اپنے قبیلہ کے رؤساء میں سے اور نہایت معزز لوگوں میں سے تھے، ماریہ رضی اللہ عنہا حسن وجمال اور خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھیں، حضورِ اقدس ﷺ نے اُن کو اپنی خدمت میں رکھا اور اُن کی بہن شیریں کو شاعر دربارِ نبوت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ہبہ فرمادیا۔

ابتداءً حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو حارثۃ بن النعمانؓ کے گھر ٹھہرایا گیا تھا، مگر اَزواجِ مطہرات کی چہ می گوئیوں کی وجہ سے پھر اُن کو عوالیٔ مدینہ کی طرف ٹھہرا دیا گیا، جہاں آپ ﷺ بکثرت تشریف لے جاتے۔

اولاد: جس طرح اَزواجِ مطہرات میں حضرت خدیجہؓ وہ واحد خاتون ہیں جن سے آپ ﷺ کی اولاد ہوئی، اسی طرح اُمہاتِ اولاد میں حضرتِ ماریہؓ وہ تنہا باندی ہیں جن سے آپ ﷺ کے ایک صاحبزادے (اِبراہیم) تولد ہوئے۔

وفات: ۱۶ھ میں حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں وفات پائی، حضرت عمرؓ نے نہایت اہتمام سے لوگوں کو جنازہ میں شرکت کی ترغیب دی، خود نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیا۔

فضائل ومناقب:

[۱] آپ ﷺ کو اُن سے خاص محبت اور شیفتگی تھی، خصوصاً جب اُن سے حضرت

اِبراہیمؓ کی پیدائش بھی ہوگئی پھر تو اور زیادہ توجہ اور التفات میں اِضافہ ہوگیا تھا۔

[۲] یہی وہ جاریہ ہیں جن کو حضور اقدس ﷺ نے بعدِ عصر حضرت حفصہؓ کی غیر موجودگی میں اُن کے حجرے میں بلالیا تھا، پھر حضرت حفصہؓ کے احتجاج اور شکایت پر آپ ﷺ نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اوپر حرام قرار دے لیا تھا، جس پر سورۂ تحریم نازل ہوئی تھی۔

واضح رہے کہ یہ اِس سورت کے شانِ نزول میں منجملہ وجوہ کے ایک وجہ ہے، جس پر حافظ ابن حجرؒ نے تفصیل سے بحث فرمائی ہے۔(فتح الباری:۵۲۶۶)

○❖○

فصلِ سوم

اَولادِ طیبات: سیرت اور فضائل ومناقب

آپ ﷺ کی صاحبزادیاں چار تھیں اور سب کی سب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی کے بطن سے تھیں؛ اِس پر تمام اہلِ سیر اور مؤرخین کا اِجماع ہے۔

جب کہ صاحبزادگان کے سلسلے میں مشہور اور راجح قول یہ ہے کہ وہ کل تین ہوئے، دو: قاسمؓ اور عبداللہؓ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے اور ایک: حضرت اِبراہیمؓ، آپ ﷺ کی اُم ولد حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے چار صاحبزادگان ہوئے: قاسم، عبداللہ، طیب اور طاہر۔

مگر صحیح یہی ہے کہ طیب اور طاہر حضرت عبداللہ ہی کے القاب ہیں، کوئی مستقل نام نہیں ہیں۔ (البدایۃ والنہایۃ ۵/ ۳۲۸، والزرقاني ۴/ ۳۱۴)

ذیل میں اولاً صاحبزادگان والا شان کے حالات ومناقب پیش کیے جاتے ہیں، اُس کے بعد اِن شاء اللہ تعالیٰ صاحبزادیوں کا ذکرِ خیر کیا جائے گا۔

﴿۱﴾

صاحبزادگان

راجح اور مشہور روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ کے کل تین صاحبزادگان ہوئے، جن کی ترتیب حسبِ ذیل ہے:

(۱) حضرت قاسم رضی اللہ عنہ:

آپ کی اولاد میں سب سے پہلے حضرت قاسم پیدا ہوئے اور بعثتِ نبوی سے پیشتر ہی انتقال کر گئے، صرف دو سال زندہ رہے اور بعض کا خیال ہے کہ سنِ تمیز کو پہنچ کر وفات پائی اور آنحضرت کی کنیت ''ابوالقاسم'' اُنھی کے اِنتساب سے تھی (زرقانی ۳۱۳/۴)۔

(۲) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ:

مشہور قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ کو نبوت ملنے کے بعد جو سب سے پہلی اولاد ہوئی وہ یہی حضرت عبداللہ ہیں، اِسی لیے بطور صفت یا لقب کے اِن کے نام کے ساتھ طیب اور طاہر بھی لگا دیا جاتا ہے۔

کم عمری ہی میں فوت ہو گئے، آپؓ کی وفات پر عاص بن وائل سہمی کہنے لگا کہ محمد کی نسل منقطع ہو جائے گی اور سلسلۂ خاندان نہیں چلے گا، اِس پر سورۂ ''الکوثر'' نازل ہوئی، جس میں فرمایا گیا: ﴿إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ﴾ (بے شک آپ کا جو دشمن ہے وہی منقطع الخیر ہے) یعنی: ہر خیر سے محروم ہے۔

(۳) حضرت ابراھیم رضی اللہ عنہ:

حضرت اِبراہیمؓ: آنحضرت ﷺ کی آخری اولاد ہیں، جو حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن

سے ماہِ ذی الحجہ ۸ ھ میں پیدا ہوئے، ساتویں روز آپ ﷺ نے عقیقہ فرمایا، عقیقہ میں دو مینڈھے ذبح کرائے، سر منڈوایا گیا، بالوں کے برابر چاندی تول کر صدقہ کی گئی اور بال زمین میں دفن کیے گئے اور عوالی میں ایک دودھ پلانے والی کے حوالے کیا، جن کا نام خولہ بنت المنذر رضی اللہ عنہا تھا اور کنیت اُم سیف، یا اُم بردہ تھی اور اِن کے شوہر کی کنیت ابوسیف اور ایک قول کے مطابق نام براء بن اَوس تھا، پیشے سے لوہار تھے۔

(زرقانی ۴/ ۳۴۷، وفتح الباری: ۱۳۰۳)

آپ ﷺ کبھی کبھی حضرت اِبراہیمؓ کے پاس تشریف لے جاتے اور اُنھیں گود میں لے کر چومتے اور پیار فرماتے، آپؓ کی مُرضعہ (دودھ پلانے والی) کو آپ ﷺ نے اِکرام اور معاوضہ کے طور پر کھجور کا ایک باغ بھی عطا فرمایا۔

راجح قول کے مطابق تقریباً سولہ/ سترہ مہینہ زندہ رہ کر ۱۰ ھ میں انتقال ہوا، بیماری کی خبر سن کر حضور اکرم ﷺ اپنے چند اصحاب کے ساتھ تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے تشریف لے گئے، پہنچے تو سیدنا اِبراہیم آخری سانسیں لے رہے تھے، آنحضرت ﷺ کی آنکھیں بھر آئیں، بے اِختیار آنسو جاری ہوگئے، صاحبزادے کو گود میں لے کر آپ نے شریعت اور جذبات دونوں کی رعایتوں سے بھرپور وہ سنہرے اور تاریخی کلمات اِرشاد فرمائے جن کا شمار آج بھی عربیت وادبیت کے زریں شہ پاروں میں ہوتا ہے اور وہ قیامت تک آنے والے کسی بھی ولی اور وارث کی تسلی اور تشفی کا بڑا سامان ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

إنَّ العينَ تَدمَعُ، والقلبَ يَحزَنُ، ولا نَقولُ إلا ما يَرضَى رَبُّنا، وإنَّا بفِراقِكَ يا إبراهيمُ لَمَحزُونُونَ [بخاری: ۱۳۰۳، ومسلم: ۲۳۱۵] (بے شک آنکھ تو اشکبار ہے اور قلب تو غمگین ہے، مگر ہماری زبان سے وہ ہی نکلے گا جس سے کہ ہمارا رب راضی ہو اور- میرے بیٹے- اِبراہیم! تمہاری جدائیگی اور فراق سے یقیناً ہم غمزدہ ہیں)۔

پھر اِنتقال کے بعد ابو بردہؓ اور فضل بن عباسؓ نے اُن کو غسل دیا، چھوٹے سے ایک تختے پر رکھ کر قبرستان پہنچائے گئے اور حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پہلو میں دفن کیے گئے، آپ ﷺ نے یہ کہہ کر جگہ کی تعیین فرمائی: ندفنه عند فرطنا عثمان [زرقانی:۴/۳۵۰] (ہم اِس کو اپنے پیش رَو عثمانؓ کے پہلو میں دفن کریں گے)۔

جس روز اِنتقال ہوا اِتفاق سے اُسی روز سورج گرہن بھی ہوگیا، عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مرتا ہے تو سورج گہنا جاتا ہے، اِس لیے آپ ﷺ نے اس عقیدۂ فاسدہ کو رد کرنے کے لیے خطبہ دیا کہ چاند اور سورج اللہ کی نشانیاں ہیں، کسی کے مرنے یا جینے سے اُن کو گہن نہیں لگتا، اِس طرح کی نشانیوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، جب ایسا دیکھو تو نماز پڑھو، دعاء کرو اور صدقہ دو۔

(فتح الباری:۱۰۴۳، وزرقانی:۴/۳۵۱)

فضائل ومناقب:

حضرت اِبرہیمؓ کی وفات کا آپ ﷺ کو بہت صدمہ ہوا، اُن کی وفات کے بعد آپ نے اِرشاد فرمایا:

[۱] اِس کے لیے جنت میں ایک دودھ پلانے والی مقرر کی گئی ہے۔

[۲] اگر یہ زندہ رہتا تو نبی ہوتا۔

[۳] اگر زندہ رہتا تو اُس کے تمام ننھیال (قبط) والے آزاد کردیئے جاتے اور آئندہ کسی قبطی کو غلام نہ بنایا جاتا۔ (ابن ماجہ:۱۵۱۱)

○❖○

﴿۲﴾

صاحبزادیاں

آنحضرت ﷺ کی کل چار بیٹیاں ہوئیں، جن میں مشہور قول کے مطابق ترتیب یہ ہے: سب سے بڑی حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں، پھر حضرت رقیہؓ، پھر حضرت اُم کلثومؓ اور سب سے چھوٹی حضرت فاطمہؓ۔

حافظ ابن عبد البرؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ کے نزدیک یہی ترتیب راجح ہے۔

(الاستیعاب لابن عبد البر، رقم: ۳۳۴۳، والإصابة لابن حجر: ۱۱۱۸۷)

اِس لیے اِس سلسلے کے باقی اقوال کو نظر انداز کرتے ہوئے، مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق بناتِ طیبات کے مختصر اَحوال اور تذکرے پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

نام: آنحضرت ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی کا نام زینب رکھا گیا۔

ولادت: بعثت سے تقریباً دس سال پہلے پیدا ہوئیں۔

نکاح: بعثت کے فوراً بعد اِسلام لائیں، حضرت خدیجہؓ کی زندگی ہی میں خالہ (ہالہؓ) زاد بھائی ابو العاصؓ بن الربیع القرشی العبشمی سے نکاح ہوا۔

ابو العاص اپنی شرافتِ نفسی کے باوجود ایک مدت تک کفر پر قائم رہے، جنگِ بدر میں مجبوراً کفار کی طرف سے شریک ہونا پڑا، وہاں گرفتار ہوگئے، فدیہ کی شرط پر رہائی منظور ہوئی، اپنے بھائی عمرو کے ذریعے مکہ کہلایا، نیک صفت بیوی نے اپنے گلے کا وہ ہار اُتار کر بھیج دیا جو اُن کی ماں حضرت خدیجہؓ نے شادی کے موقع پر دیا تھا۔

ہار جب مدینہ منورہ پہنچا اور اُس پر رسول اللہ ﷺ کی نگاہ پڑی تو آپ کو حضرت

خدیجہؓ کی یادتازہ ہوگئی، آنکھوں میں بے اِختیار آنسو آگئے اور آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو ابوالعاص کو فدیہ کے بغیر ہی رہا کردیا جائے، صحابہؓ فوراً تیار ہوگئے۔

آپ ﷺ نے اِس وعدہ پر رہا فرمادیا کہ مکہ پہنچتے ہی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو مدینہ روانہ کردیں گے، ابوالعاص نے حامی بھرلی۔

مکہ پہنچ کر ابوالعاص نے اپنے بھائی کنانہ کے ساتھ حضرت زینبؓ کو روانہ کیا، کفارِ مکہ کو اِطلاع ہوگئی، اُنھوں نے تعاقب کیا، ہبار بن الاسود (جو کہ اُس وقت کافر تھے، وہ نافع بن قیس جیسے بد بخت کے ساتھ مل کر) آگے بڑھے اور اُونٹ کے جس ہودج میں حضرت زینبؓ سوار تھیں اُس پر نیزے سے وار کیا، جس سے حضرت زینبؓ زمین پر گر گئیں، آپ کو سخت تکلیف اور شدید چوٹ آئی، حتیٰ کہ حمل بھی ساقط ہوگیا۔

اِس حملے سے آپ کے دیور کنانہ طیش میں آگئے اور اُنھوں نے بھی تیر کمان سنبھال لیا، مگر رؤسائے مکہ نے کسی طرح درمیان میں پڑ کر معاملہ اُس وقت رفع دفع کیا۔

کچھ وقفہ کے بعد جنابِ ابوالعاص نے آپ ﷺ سے رابطہ کرکے دوبارہ کوشش کی، آپ ﷺ نے اپنے متبنّٰی اور آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ اور ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کو اُنھیں لانے کے لیے بھیج دیا، ملاقات کے لیے بطنِ یأجج کا مقام طے پاگیا، رات کے وقت خفیہ طور پر آپؓ وہاں پہنچ گئیں اور زیدؓ آپؓ کو نکال لے جانے میں کامیاب ہوگئے اور جان کی سلامتی کے ساتھ آپؓ (سنہ ۲ ھ کے اواخر، یا سنہ ۳ ھ کے اوائل میں) مدینہ منورہ پہنچ گئیں۔ (مستفاد اَز: زرقانی ۴/ ۳۱۹، والإصابۃ ۸: ۱۱۲۲۳)

وفات: سفرِ ہجرت کے دوران پیش آنے والے سقوط اور اِسقاط کے سخت ترین حادثہ سے جو تکلیف حضرت زینبؓ کو ہوگئی تھی، وہ ہی اَوّلاً مرض الوفات کی تمہید بنی اور ثانیاً وفات کا سبب بن گئی، چنانچہ آپ ایک مدت تک بیمار رہ کر بعمر ۳۰ سال، سنہ ۸ ہجری کی ابتدا میں اِنتقال فرماگئیں۔ (سیر أعلام النبلاء ۲/ ۲۴۷، والإصابۃ، وزرقانی)

رسول اللہ صلی اللہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا، اُم المؤمنین حضرت سودہؓ، اُم سلمہؓ اور حضرت اُم ایمنؓ واُم عطیہؓ وغیرہ نے آپ ﷺ کی ہدایات کے مطابق غسل دیا، تجہیز وتکفین کی، کفن میں شامل کرنے کے لیے آپ ﷺ نے اپنا تہہ بند بھی عنایت فرمایا، پھر آپ ہی نے نمازِ جنازہ پڑھائی، قبر میں اُترے اور جنت البقیع میں دفن فرمایا۔

(سیر أعلام النبلاء ۲/۲۵۰، الإصابۃ، وزرقانی)

اولاد: حضرت زینبؓ کے دو بچے ہوئے: ایک بیٹا علیؓ اور ایک بیٹی اُمامہؓ:

(۱) حضرت علی بن ابی العاصؓ:

جب اِن کے والدین مکہ میں تھے تو یہ بنو غاضرہ میں دودھ پلوانے کے لیے بھیجے گئے تھے، مگر وہاں سے آپ ﷺ نے یہ کہہ کر مدینہ منورہ طلب فرمالیا کہ اِن کی پرورش کا زیادہ حقدار میں ہوں، پھر آپ ﷺ اِن کو اپنے ساتھ ہی رکھتے تھے، حتی کہ فتحِ مکہ کے موقع پر یہ آپ ﷺ کی سواری پر آپ کے پیچھے ہی بیٹھے تھے۔

اُس کے بعد روایات میں اِختلاف ہے، مشہور قول یہ ہے کہ سِنِ تمیز کو پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں اِنتقال کر گئے اور ایک قول یہ ہے کہ زندہ رہے یہاں تک کہ معرکۂ یرموک میں شریک ہو کر شہید ہوئے (الإصابۃ: ۵۷۰۶)۔

(۲) اُمامہ بنت ابی العاصؓ:

والدہ کے ساتھ یہ بھی آپ ﷺ کے پاس آگئیں اور آپ ہی کی پرورش میں رہیں، آپ ان سے بہت محبت فرماتے تھے، یہ بھی آپ سے بہت مانوس تھیں، بعض اوقات نماز میں آپ کے دوشِ مبارک پر چڑھ جاتیں، آپ جب رکوع اور سجدہ میں جاتے تو اُن کو آہستہ سے اُتار دیتے اور پھر جب اُٹھتے تو اُٹھا لیتے۔

(بخاری: ۵۱۶، ۵۹۹۶، ومسلم: ۵۴۳)

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہدیہ میں سونے کا ایک ہار (یا کوئی اور زیور) آیا، تمام اَزواجِ مطہرات اُس وقت جمع تھیں اور اُمامہ گھر کے ایک گوشہ میں مٹی سے کھیل رہی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ہار میں گھر والوں میں سے اپنے محبوب ترین کو دوں گا، سب کا گمان یہ تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو عطا فرمائیں گے، لیکن آپ نے اُمامہ کو بلایا اور پہلے اُن کی آنکھوں سے گرد اور مٹی کو اپنے دست مبارک سے صاف کیا اور پھر وہ ہار اُن کے گلے میں ڈال دیا۔

(أخرجه ابن سعد ٨/١٨٥، وأحمد: ٢٤٧٠٤، وأبويعلى: ٤٤٧١، عن عائشةؓ)

سیدہ حضرت فاطمہؓ کے اِنتقال کے بعد سیدنا حضرت علیؓ نے حضرت اُمامہؓ سے نکاح کرلیا، جن سے بعض روایات کے مطابق محمد -الاوسط- نامی ایک صاحبزادہ کی ولادت ہوئی، مگر اُن کا کم عمری ہی میں اِنتقال ہوگیا، دوسری روایت یہ ہے کہ کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

پھر جب حضرت علیؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے رشتہ کے بھتیجے حضرت مغیرہ بن نوفل بن الحارث بن عبد المطلب کو وصیت فرمائی کہ میرے بعد اُمامہؓ سے نکاح تم کرلینا۔

چنانچہ اُنھوں نے حسبِ وصیت نکاح کرلیا، بعض کہتے ہیں کہ مغیرہ کے حضرت اُمامہؓ سے ایک لڑکا ہوا، جس کا نام یحییٰ رکھا گیا اور وہ کم عمری ہی میں فوت ہوگیا اور بعض کہتے ہیں کہ اُمامہؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، اور اُنھوں نے مغیرہ کے ہاں وفات پائی۔ (زرقانی:۴/۳۲۱)

یہ بہر حال طے شدہ اور متفق علیہ بات ہے کہ یہ سلسلۂ نسل آگے نہیں بڑھا۔

فضائل ومناقب: رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینبؓ کے بارے میں اِرشاد فرمایا تھا:

هي أفضل بناتي أصيبت فيَّ [شرح مشكل الآثار للطحاوي: ١٤٢، والمستدرك للحاكم: ٢٨١٢، وصححه] (یہ میری بیٹیوں میں سب سے افضل ہے، جس کو میری وجہ سے اِیذا اُٹھانی پڑی)۔

ملحوظہ: آپ ﷺ نے یہ کلمات ایک تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو سفرِ ہجرت میں پیش آنے والی تکالیف اور پریشانیوں کے تناظر میں بطور تسلی کے فرمائے تھے، دوسرے یہ سنہ ۲ھ کے آس پاس کا واقعہ ہے، ظاہر یہی ہے کہ اُس وقت تک آپ ﷺ کو سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی افضلیت کی اِطلاع نہیں دی گئی تھی، کیوں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت کی خبر تو آپ نے اپنی وفات کے سال دی تھی۔

(كما أفاده الطحاوي في المشكل: ١٤٢، والحافظ في فتح الباري: ٣٧٧٢، والزرقاني في شرح المواهب ٤/٣٣٥)

(۲) حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

نام: آپ ﷺ کی دوسری صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

ولادت: نبوت سے تقریباً سات سال قبل پیدائش ہوئی۔

نکاح: پہلا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا (جو بعد میں اِسلام لے آئے)، ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ آپ ﷺ کے اِعلانِ نبوت اور دعوتِ اِسلام کا غلغلہ بلند ہوا، ابولہب عناد اور تکبر کا شکار ہو کر کھلم کھلا دشمنی پر اُتر آیا، جس کے پس منظر میں ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾ نازل ہوئی، ابولہب نے عتبہ کو بلا کر کہا کہ اگر تم نے محمد کی بیٹی کو طلاق نہیں دی تو تمہارے ساتھ میرا سونا اور بیٹھنا حرام ہے، بیٹے نے باپ کے حکم کی تعمیل کی اور عروسی سے پہلے ہی حضرت رقیہؓ کو طلاق دے دی۔ (الاستیعاب: ۳۳۴۳، والإصابۃ: ۱۱۱۸۷)

اور اِس طرح سے گھر آئی نعمت سے خود کو محروم کر لیا۔

اِس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا، حضرت عثمانؓ نے جب حبشہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت رقیہؓ بھی ہمراہ تھیں، کچھ عرصہ تک آپ کو اِن دونوں کی کچھ خبر معلوم نہ ہوئی، پھر ایک عورت آئی اور اُس نے یہ خبر دی کہ میں

نے دونوں کو دیکھا ہے، آپ نے فرمایا: صَحِبَهما الله، إنّ عثمان لأوّل من هَاجر بأهله بعد لوط [تاریخ الفَسوِی ۳/ ۲۵۵، والمواہب اللدنیۃ ۱/ ۱۴۵] (اللہ اُن دونوں کے ساتھ ہو، بے شک عثمانؓ: لوط علیہ السلام کے بعد پہلے شخص ہیں جس نے اپنے گھر والوں کے ساتھ اللہ کے راستے میں ہجرت کی ہے)۔

اولاد: حبشہ پہنچ کر ایک بیٹا پیدا ہوا، جس کا نام عبد اللہ رکھا گیا، چھ سال زندہ رہے، مدینہ منورہ میں ایک دن ایک مرغ نے ان کی آنکھ میں چونچ ماردی، جس سے چہرے پر ورم آگیا، بیمار پڑ گئے اور اُسی میں اِنتقال ہوگیا۔

وفات: جس وقت آنحضرت ﷺ غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت رقیہؓ بیمار تھیں، اِسی وجہ سے حضرت عثمانؓ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے، اُن کی تیمارداری میں رہے، عین اسی روز جس دن کہ حضرت زید بن حارثہؓ مسلمانوں کی فتح اور مشرکین کی ہزیمت کی بشارت اور خوش خبری لے کر مدینہ آئے، حضرت رقیہؓ نے اِنتقال فرمایا۔

آپ ﷺ کے متبنّٰی زادے اُسامہ بن زیدؓ بھی حضرت رقیہؓ کی تیمارداری اور پس مرگ اُمور کی انجام دہی میں شریک رہے، اُس کے بعد ابھی دفن میں مشغول تھے، کہ یکا یک تکبیر کی آواز سنائی دی، حضرت عثمانؓ نے پوچھا: اُسامہ! یہ کیا ہے؟ دیکھتے کیا ہیں کہ حضرت زید بن حارثہؓ آپ ﷺ کی ناقہ پر سوار ہیں اور مسلمانوں کی فتح اور مشرکین کی ذلت آمیز شکست کی بشارت لے کر آئے ہیں۔

اِنتقال کے وقت حضرت رقیہؓ کی عمر صرف بیس سال تھی۔ (الإصابۃ: ۱۱۱۸۷)

فضائل ومناقب:

[۱] آپؓ کی منقبت کے لیے یہی امر کافی ہے کہ آپؓ نبی زادی ہیں۔

[۲] پھر آپ ہی کے ذریعے ہجرت جیسی عظیم الشان سنتِ اِبراہیمی کا اِحیاء ہوا۔

[۳] حسن وجمال میں یکتائے روزگار تھیں، قیامِ حبشہ کے زمانے میں کچھ لوگوں کی نظر آپؓ پر پڑ گئی اور وہ آپ کو غلط نظروں سے دیکھنے لگے، آپؓ نے گھبرا کر بد دعا دے دی، وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے (زرقانی ۴/۳۲۳)۔

(۳) حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

نام: آپ ﷺ کی تیسری صاحبزادی ہیں، اِن کی کنیت ہی اِن کا نام ہے، الگ سے کوئی نام معلوم نہیں۔

ولادت: بعثت سے تقریباً چھ سال قبل پیدائش ہوئی۔

نکاح: پہلا نکاح ابولہب کے دوسرے بیٹے عُتیبہ سے ہوا، ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ آپ ﷺ نے اِعلانِ نبوت فرمایا، ابولہب اِستکبار پر آمادہ ہو گیا، جس کے تناظر میں ﴿تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾ نازل ہوئی، ابولہب نے عتیبہ کو بلا کر کہا کہ اگر تم نے محمد کی بیٹی کو طلاق نہیں دی تو تمہارے ساتھ میرا سونا اور بیٹھنا حرام ہے۔

بد بخت بیٹے نے نہ صرف یہ کہ حضرت اُم کلثومؓ کو طلاق دے دی، بلکہ حضرت رسولِ کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: کہ میں آپ کے دین کا منکر ہوں اور آپ کی بیٹی کو طلاق دے دی ہے، وہ مجھ کو پسند نہیں کرتی اور میں اس کو پسند نہیں کرتا، اُس کے بعد آپ پر حملہ کیا اور آپ کا پیراہن چاک کر دیا، آپ نے شدتِ تاثر میں بد دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس پر کوئی درندہ اپنے درندوں میں سے مسلط فرما۔

چنانچہ ایک مرتبہ قریش کا کوئی تجارتی قافلہ شام کی طرف نکلا، مقام زرقا میں پڑاؤ کیا، ابولہب اور عتیبہ بھی اُس قافلہ میں تھے، رات کے وقت ایک شیر آ گیا، وہ شیر قافلہ والوں کے چہرے کو دیکھتا اور سونگھتا جاتا، جب عتیبہ پر پہنچا تو فوراً اُس کا سر چبا لیا، عتیبہ اُسی وقت ایسا غائب ہوا کہ کہیں اُس کا پتہ نہ چلا۔ (زرقانی: ۴/۳۲۵)

پھر حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد ماہِ ربیع الاوّل سنہ ۳ ہجری میں، آپ ﷺ نے آسمانی اِشارہ پا کر حضرت اُم کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کردیا، چھ سال حضرت عثمانؓ کے ساتھ رہیں، کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

حضرت عثمانؓ کے نکاح میں یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیوں کے آنے کی بنا پر آپؓ کا لقب ''ذوالنورین'' قرار پایا۔

وفات: ماہِ شعبان المعظم سنہ ۹ ہجری میں حضرت اُم کلثومؓ نے وفات پائی، اَسماءؓ بنت عُمیس، صفیہؓ بنت عبدالمطلب اور اُم عطیہؓ وغیرہ نے غسل دے کر تجہیز و تکفین کی، رسول اللہ ﷺ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور حضرت علیؓ، فضل بن عباسؓ، ابوطلحہؓ اور اُسامہ بن زیدؓ نے قبر میں اتارا۔

آنحضرت ﷺ قبر کے کنارہ پر بیٹھے ہوئے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

فضائل ومناقب:

[۱] بعض روایات کے مطابق حضرت عثمانؓ سے آپؓ کا نکاح وحیِ آسمانی کی بنا پر ہوا۔

(الإصابۃ: ۱۲۲۲۶)

[۲] ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیوں میں حضرت فاطمہؓ کے بعد سب سے بڑا رتبہ آپؓ ہی کا تھا، واللہ اعلم۔ (شرح الزرقانی ۴/۳۲۴)

(۴) حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

نام ولقب: آپ کا نام فاطمہ اور زہرا اور بتول لقب تھا۔

''زہرا'' لقب تو ظاہری حسن وجمال کے ساتھ ساتھ، باطنی زہرت وبہجت اور صفا ونورانیت کی وجہ سے تھا۔ (سُبل الہدیٰ والرشاد للصالحی ۱۰/۴۸۶)

''بتول'': ''بتل'' بمعنی قطع سے مشتق ہے، چوں کہ آپ ؓ اپنے فضل وکمال کی وجہ سے دنیا کی عورتوں سے منقطع اور منفرد تھیں، یا یہ کہ ماسوی اللہ سے منقطع اور یکسو تھیں، اِس لیے آپ کو ''بتول'' کہا جاتا ہے (تاج العروس)۔

کنیت: سیدہ فاطمہ ؓ کی کنیت ''اُم أبیها'' تھی۔

ولادت: ابن عبد البر ؒ نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ بعثت کے سال پیدا ہوئیں، واقدی نے اپنی سند سے حضرت عباس ؓ سے نقل کیا ہے کہ بعثت سے پانچ سال پیشتر، جب کہ قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے، اُس وقت حضرت فاطمہ ؓ کی ولادت ہوئی، مدائنی اور ابن الجوزی وغیرہ نے اِسی کو اِختیار فرمایا ہے (الإصابة ۲۶۲/۸، وزرقانی ۳۳۱/۴)۔

نکاح: سنہ ۲ ہجری میں سیدنا حضرت علی ؓ کے ساتھ نکاح ہوا، پہلے قول کی بناء پر حضرت فاطمہ ؓ کی عمر اُس وقت پندرہ برس اور ساڑھے پانچ ماہ تھی اور دوسرے قول کی بنا پر اُنیس برس اور ڈیڑھ ماہ تھی۔

اِسی طرح حضرت علی ؓ کے متعلق بھی اختلاف ہے کہ اِسلام لانے کے وقت آپ ؓ کی عمر کیا تھی؟ ایک قول آٹھ سال کی عمر کا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ دس سال کی عمر میں اسلام لائے، پہلے قول کی بنا پر نکاح کے وقت حضرت علی ؓ کی عمر اکیس سال اور پانچ ماہ ہوگی اور دوسرے قول کی بناء پر چوبیس سال اور ڈیڑھ ماہ قرار پائے گی (زرقانی: ۳۳۳/۴)۔

وفات: آنحضرت ﷺ نے اپنی وفات سے کچھ پیشتر اپنے وصال کے قرب کی خبر سیدہ فاطمہ ؓ کو کردی تھی، جس پر آپ ؓ رونے لگی تھیں، مگر آپ ﷺ نے تسلی کے یہ کلمات بھی اِرشاد فرمادیئے تھے: وإنكِ أول أهلي لحوقاً بي [بخاری: ۳۶۲۴، ۳۶۲۶، ومسلم: ۲۴۵۰] (میرے گھر والوں میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے ملوگی)، جس سے آپ ؓ مطمئن ہوکر ہنسنے لگیں۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے (چند ماہ بعد، بلکہ مشہور قول کے مطابق) چھ ماہ

بعد ماہِ رمضان المبارک سنہ ۱۱ ہجری میں، آپ کی آخری اور سب سے چھوٹی اور سب سے چہیتی اور لاڈلی بیٹی سیدہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضي اللّٰه عنها و أرضاها عنا کا بھی بعمر ۲۴/۲۵ سال (یا ۲۹ سال) اِنتقال ہوگیا۔

حضرت اَسماء بنت عمیس (زوجۃ ابی بکر الصدیقؓ)، سلمٰی اُم رافع (مولاۃ النبی صلی اللہ ﷺ) اور حضرت علیؓ نے غسل دیا اور وصیت کے مطابق آپؓ کی نعش کو حضرت اَسماءؓ ہی کے مشورے سے مخصوص قسم کے تابوت میں رکھا گیا۔

سیدنا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے (یا خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے، یا ایک قول کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے) نمازِ جنازہ پڑھائی، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت فضل بن عباسؓ نے قبر میں اتارا اور جنت البقیع میں اُس مقام پر مدفون ہیں جو اَب ''حظیرۂ اہلِ بیت'' کے نام سے مشہور ہے۔

(طبقاتِ ابن سعد ۸/۲۲، والبدایۃ والنہایۃ ۸/۲۳۷، والاصابہ: ۱۱۵۸۷، وزرقانی ۴/۳۳۶)

اولادحضرت فاطمہ: سیدہ حضرت فاطمہ زہراؓ کے پانچ اولاد ہوئی: تین لڑکے اور دو لڑکیاں، جن کے مختصر حالات درجِ ذیل ہیں:

(۱) حسن بن علی ابومحمد القرشی الہاشمی الشہید، سبط رسول اللہ ﷺ، وریحانتہ:

رمضان سنہ ۳ ہجری میں آپؓ کی پیدائش ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے تحنیک فرمائی، ساتویں دن عقیقہ کرایا، بالوں کے برابر چاندی صدقہ فرمائی، ختنہ کرایا، دو مینڈھے ذبح کرائے، نام رکھا۔

بچوں میں آپ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب آپؓ ہی تھے، چہرے کی بناوٹ میں آنحضرت ﷺ کے سب سے زیادہ مشابہ تھے، حضور ﷺ آپؓ کو اپنا بیٹا کہا کرتے اور

فرماتے: اے اللہ! میں اِس سے محبت کرتا ہوں، آپ بھی اِس کو اپنا محبوب بنا لیجیے اور جو اِس سے محبت کرے اُس سے آپ بھی محبت فرمائیے۔

آپ ﷺ نے آپؓ کو نوجوانانِ جنت کا سردار قرار دیا، ایک موقع پر آپ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے آپؓ کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے فرمایا: میرا یہ بیٹا سردار ہے اور اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس کے ذریعے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرائیں گے۔

چنانچہ آپؓ ہی کے ذریعہ مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان پانچ سالہ جنگ کے بعد سنہ ۴۱ھ میں (لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ - تاکہ دِل جلائے اُن کے ذریعہ کافروں کا- کی عملی تفسیر کے طور پر) وہ تاریخی صلح ہوئی، جس کی کسک اورٹیس روافض اور نواصب کے دونوں گروہ چودہ سو سال گذر جانے کے باوجود آج تک محسوس کرتے ہیں، وکفی بھم نکالاً وعذاباً۔

جہاں ایک طرف اہل السنۃ والجماعۃ نے آپؓ کے اِس عظیم کارنامے کی بھرپور تائید اور تحسین کرتے ہوئے اِس سال کو عام الجماعۃ کا نام دیا، وہیں دوسری طرف دشمنانِ دین آپؓ کی اِس صلح پسندی اور صلح جوئی سے آپؓ کے جانی دشمن ہوگئے اور آپ کو متعدد مرتبہ زہر دیا، مگر قدرتِ الٰہیہ سے آپؓ ہر مرتبہ جانبر ہوجاتے، تاآنکہ سنہ ۴۹ھ (یا ۵۰ھ، یا ۵۱ھ) میں ایک مرتبہ پھر یہی حرکت کی گئی، جس کا تحمل نہیں ہوسکا اور بمشیئتِ خداوندی تقریباً ۴۷ سال کی عمر میں آپؓ انتقال فرما گئے۔

(سیر أعلام النبلاء ۳/ ۲۴۵، والبدایۃ والنہایۃ ۱۱/ ۱۸۰، والإصابۃ: ۱۷۲۴)

آپؓ سے چلنے والی نسل کو ''حسنی سادات'' کہا جاتا ہے اور اَنساب میں آپؓ کا نسب سب سے افضل وبرتر مانا جاتا ہے۔

(۲) حسین بن علی ابو عبد اللہ القرشی الہاشمی الشہید مظلوماً

سبط رسول اللہ ﷺ، وریحانتہ:

شعبان سنہ ۴ ہجری میں آپؓ کی پیدائش ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے تحنیک فرمائی، ساتویں دن عقیقہ کرایا، بالوں کے برابر چاندی صدقہ فرمائی، ختنہ کرایا، دو مینڈھے ذبح کرائے، نام رکھا۔

آنحضرت ﷺ کو آپؓ بھی بہت زیادہ محبوب تھے، جسم کی ساخت میں آنحضرت ﷺ کے سب سے زیادہ مشابہ تھے، حضور ﷺ آپؓ کو اپنا بیٹا کہا کرتے اور فرماتے: اے اللہ! میں اِس سے محبت کرتا ہوں، آپ بھی اِس کو اپنا محبوب بنا لیجیے اور جو اِس سے محبت کرے اُس سے آپ بھی محبت فرمایئے۔

ایک موقع پر آپ ﷺ نے حضرات حسنینؓ (حسن وحسین) کے بارے میں یہ بھی اِرشاد فرمایا: یہ دونوں میرے بیٹے ہیں، جس نے اِن سے محبت کی تو گویا اُس نے مجھ سے محبت اور تعلق کا اِظہار کیا اور جس نے اِن سے بغض رکھا تو (معاذ اللہ) گویا اُس نے مجھ سے بغض اور نفرت کا اِظہار کیا۔

آپ ﷺ نے حضرتِ حسنؓ ہی کی طرح آپؓ کو بھی نوجوانانِ جنت کا سردار قرار دیا۔

۱۰/محرم الحرام سنہ ۶۱ھ میں کچھ روافض کی سازش اور دغا بازی اور کچھ نواصب کی بے رحمی اور سفاکی کے نتیجے میں ایک انتہائی افسوس ناک اور اندوہناک واقعے کے تحت، میدانِ کربلا میں مظلومانہ طور پر آپؓ کو شہید کر دیا گیا، اُس وقت آپؓ کی عمر ۵۷ سال تھی۔

آپؓ سے چلنے والی نسل کو "حسینی سادات" کہا جاتا ہے اور سلاسلِ اَنساب میں آپؓ کا نسب بھی افضل ترین مانا جاتا ہے۔

(۳) مُحسّن[1] بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ:

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جب میرے ہاں پہلے بیٹے کی پیدائش ہوئی، تو میں نے اُس کا نام ''حرب'' رکھا، آنحضرت ﷺ تشریف لے آئے، نام معلوم کیا، ہم نے بتلایا ''حرب''، آپ نے فرمایا نہیں، یہ تو ''حسن'' ہے، پھر دوسرے بیٹے کی پیدائش پر بھی میں نے ''حرب'' ہی نام رکھا، آپ ﷺ نے تبدیل فرما کر ''حُسین'' کر دیا، پھر تیسرے بیٹے کی پیدائش پر بھی میں نے ''حرب'' ہی نام رکھنا چاہا، مگر آنحضرت ﷺ نے اُس کو بھی تبدیل فرما کر ''محسّن'' کر دیا۔

اور اِرشاد فرمایا کہ: میں نے اِن تینوں کا نام حضرت ہارون علیہ السلام کے تین بیٹوں ''شَبَّر'' (بمعنی: حسن)، ''شُبَیّر - یا شُبیر'' (بمعنی حُسین) اور ''مُشَبِّر'' (بمعنی محسّن) کے نام پر رکھا ہے۔

حضرت محسّنؓ کم عمری ہی میں اِنتقال فرما گئے۔ (الإصابة: ۸۳۰۸)

(۴) اُمِ کلثوم بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہا:

یہ حضرت علیؓ کی بڑی صاحبزادی اور آں حضرت ﷺ کی نواسی ہیں۔

سنہ ۶ ھ کے آس پاس آپؓ کی پیدائش ہوئی، حضرت عمرؓ نے جنابِ رسول اللہ ﷺ کی مصاہرت اور دامادی کا شرف حاصل کرنے کے لیے، اپنے زمانۂ خلافت میں، حضرت علیؓ کے پاس آپؓ کے لیے پیامِ نکاح دیا، جو حضرت علیؓ نے قبول فرما کر، آپؓ کا نکاح حضرت عمرؓ سے کر دیا۔

حضرت عمرؓ سے آپؓ کے ہاں ایک بیٹا زید اور ایک بیٹی رقیہ تولد ہوئی، رقیہ تو بچپن ہی

---

[1] محدِّث کے وزن پر۔

میں فوت ہوگئی اور زید زندہ رہے، جوان ہوئے، مگر شادی سے پہلے ہی ایک حادثے کا شکار ہوکر اُسی دن فوت ہوئے جس دن کہ اِن کی والدہ کا اِنتقال ہوا، اِس طرح سے یہ نسل منقطع ہوگئی۔

حضرت عمرؓ کے انتقال کے بعد حضرت علیؓ نے اُم کلثومؓ کا نکاح اپنے بھتیجے عون بن جعفر سے کردیا تھا، مگر جلد ہی اُن کا بھی اِنتقال ہوگیا، تو اُن کے بھائی محمد بن جعفر سے کردیا، وہ بھی فوت ہوگئے تو تیسرے بھائی عبداللہ بن جعفر سے کردیا، پھر اُن ہی کی زوجیت میں سنہ ۴۰ھ کے بعد آپؓ کا اِنتقال ہوا، حضرت عمرؓ کے بعد کسی اور سے اولاد نہیں ہوئی۔

اُم کلثوم اور زید: دونوں ماں بیٹے کا جنازہ ایک ساتھ اُٹھا اور (امیرِ مدینہ سعید بن العاصؓ کی اِمارت میں) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دونوں کی ایک ساتھ ہی نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں تدفین عمل میں آئی۔ (سیر أعلام النبلاء ۴/۴۸۰، والإصابۃ: ۱۲۲۳۷)

(۵) حضرت زینب بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہا:

یہ حضرت علیؓ کی حضرت فاطمہؓ کے بطن سے پیدا ہونے والی سب سے چھوٹی اولاد ہیں، آنحضرت ﷺ کی آخرِ حیات میں پیدا ہوئیں، حضرت علیؓ کے بھتیجے عبداللہ بن جعفرؓ سے نکاح ہوا، آخر تک اُن ہی کے نکاح میں رہیں۔ (بظاہر یہ نکاح بڑی بہن اُم کلثومؓ کے اِنتقال کے بعد ہوا ہوگا، واللہ اعلم)

آپؓ سے عبداللہ بن جعفرؓ کے کل پانچ اولاد ہوئی: علی، عون، عباس، محمد اور اُم کلثوم۔

آپؓ نہایت فہیم، فصیح وبلیغ اور جراُتمند خاتون تھیں، اپنے بھائی سیدنا حضرت حسینؓ کے قافلہ میں شامل تھیں، سارے حوادث سے گذر کر بھی پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی، عبیداللہ بن زیاد اور اُس کے بعد یزید کے روبرو نہایت جراُتمندانہ گفتگو فرمائی۔

(طبقاتِ ابن سعد ۸/۳۴۰، وأسد الغابۃ: ۶۹۶۹، والإصابۃ: ۱۱۲۶۷)

سنہ ۶۲ھ میں وفات پائی۔

آپؓ سے چلنے والی نسل کو ''زینبی جعفری'' کہا جاتا ہے اور سلاسلِ اَنساب میں آپؓ کا نسب بھی نہایت عالی اور مبارک مانا جاتا ہے۔

سیدہ فاطمہؓ کی یہ کل پانچ اولاد ہیں، جن میں سے صرف حضراتِ حسنینؓ اور سیدہ زینبؓ سے نسل جاری ہے، جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے تین صاحبزادگان اور چار صاحبزادیوں میں سے صرف سیدہ فاطمہؓ ہی سے نسل جاری ہے، وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

فضائل ومناقب (حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا):

[۱] حضرت فاطمہؓ اپنی چال ڈھال، بات چیت وغیرہ میں آنحضرت ﷺ کے بہت زیادہ مشابہ تھیں۔ (بخاری: ۳۶۲۳، ومسلم: ۲۴۵۰، وسیر أعلام النبلاء ۳/ ۴۱۵)

[۲] آپ ﷺ کو آپؓ سے حد درجہ محبت تھی، جب آپ کے گھر آتیں تو آپ کھڑے ہو کر مرحبا کہتے ہوئے اِستقبال فرماتے، پیشانی پر بوسہ لیتے اور اپنے بستر پر بٹھاتے، ایسے ہی جب آپ ان کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ بھی اِسی طرح سے تعظیم واِکرام کرتیں۔

(سیر أعلام النبلاء ۳/ ۴۱۵)

[۳] آپ کا معمول تھا کہ جب آپ سفر میں جاتے تو سب سے اخیر میں حضرت فاطمہؓ سے ملتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کے پاس جاتے۔ (زرقانی: ۴/ ۳۴۴)

[۴] ایک موقع پر آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

إنما فاطمة بضعة مني، يؤذيني ما آذاها [مسلم: ۲٤٤۹، وبخاری: ۳۷٦۷]

فاطمہ تو میرا جگر گوشہ ہے، جس چیز سے اُس کو اذیت ہوتی ہے اُس سے مجھے بھی اذیت پہنچتی ہے۔

[۵] جب ازواجِ مطہرات کے بارے میں آیتِ تطہیر نازل ہوئی، تو رسول اللہ ﷺ نے لفظِ ''اَہل البیت'' کے ظاہر اور عموم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، اپنی محبوب بیٹی حضرت فاطمہؓ اور اُن کے دونوں بیٹے اور شوہر کو بھی اِذہابِ رجس اور تطہیرِ ذنوب کی فضیلت میں شامل کیے جانے کی دعا فرمائی، جو بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبول پا کر، فاطمی خانوادہ کے حق میں ہمیشہ ہمیش کے لیے ایک تمغۂ اِمتیاز اور ایک سندِ شرف وسعادت بن گئی، و ذلك فضل اللہ یؤتیه من یشاء۔

[٦] مرض الوفات میں آپ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کے غم اور بے چینی کو محسوس فرماتے ہوئے، بطور تسلی اور بشارت کے یہ کلمات فرمائے: أما ترضين أن تكوني سيدة نساء أهل الجنة، أو -قال: -نساء المؤمنين [بخاری:۳۶۲۴، ومسلم:۲۴۵۰] (کیا تم اِس پر راضی نہیں ہو کہ تم جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہو؟ یا یہ فرمایا: اہلِ اِیمان کی تمام عورتوں کی سردار ہو)۔

ایک اور روایت میں حضرت مریم کا اِستثناء وارد ہوا ہے، مگر مسلم کی ایک روایت میں یہ وضاحت ہے کہ: تم اِس اُمت کی عورتوں کی سردار ہو۔

اور ایک اور روایت میں مزید وضاحت ہے کہ مریم اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہیں اور تم اپنے زمانہ (اُمت) کی۔

فصلِ چہارم

اَصہارِ کرام: سیرت اور فضائل ومناقب

آپ ﷺ کی صاحبزادیاں چار تھیں، جن کے نکاح کی تفصیلات ماقبل میں گذر چکیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اَب اَصہارِ کرام کے بھی مختصر حالات پیش کر دیئے جائیں، تاکہ یہ رسالہ ایک خاص تفسیر کے لحاظ سے ''آل النبی ﷺ'' میں شامل تمام ہی اَفراد کے تذکرے کو جامع ہو جائے، وباللہ التوفیق۔

ملحوظہ: ویسے تو مطلق نکاح کے اِعتبار سے عتبہ اور عتیبہ بھی آپ ﷺ کی دامادی میں آئے، مگر چوں کہ ان کے ساتھ نبی زادیوں کی رخصتی عمل میں نہیں آئی، اِس لیے اُن کو اَصہارِ کرام کی اِس مبارک فہرست میں شامل نہ کرتے ہوئے، ترتیب وار صرف تین حضرات کے تذکرے پر اِکتفا کیا جاتا ہے: ابوالعاص، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم۔

(۱) حضرت ابوالعاص ابن الربیع القرشی العبشمی رضی اللہ عنہ:

نام ونسب: ابوالعاص بن الربیع بن عبد شمس بن عبد مناف القرشی العبشمی۔

اِس طرح آپ رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب عبد مناف پر حضور اقدس ﷺ کے نسب سے جاملتا ہے۔

کنیت ہی سے آپؓ کی شہرت ہے، اصل نام کے بارے میں بہت اِختلاف ہے: مشہور تو "لَقیط" ہے، اِس کے علاوہ زبیر، ہُشیم، مِہشَم، مُہَشِّم اور یاسم وغیرہ کے بھی اقوال ہیں۔ (الاصابۃ:۱۰۱۸۲)

لقب: ایک لقب تو "اَمین" تھا؛ اُن کے کمالِ صدق ودیانت اور وفورِ وثاقت واَمانت کی بنا پر۔ اور دوسرا لقب "جِرو البطحاء" تھا؛ وادیٔ مکہ کی گلیوں اور آس پاس کی پہاڑیوں وغیرہ سے کمالِ واقفیت کی بنا پر۔

ماں کا نام: ہالۃ بنت خویلد الاسدیہ ہے۔

یہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ کی حقیقی بہن تھیں، اِس طرح سے رسول اللہ ﷺ آپؓ کے سگے خالو ہوئے اور حضرت زینبؓ خالہ زاد بہن۔

ذاتی حالات: جاہلیت کے دور سے ہی آپؓ کا شمار مکہ کے اہلِ ثروت، باوجاہت اور امانت دار تاجروں میں ہوتا تھا، آپؓ کو رسول اللہ ﷺ سے بہت زیادہ اُنس تھا؛ چنانچہ آپؓ بعثت سے پہلے بکثرت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کی صحبت میں بیٹھتے۔

آپؓ کی سعادت مندی اور شریفانہ اخلاق واوصاف سے متاثر ہوکر آنحضرت ﷺ نے اپنی بڑی صاحبزادی کی نسبت آپؓ ہی سے طے کردی، جن سے ایک بیٹا علیؓ اور ایک بیٹی اُمامہؓ ہوئے، جیسا کہ تفصیلات حضرت زینبؓ (الکبریٰ) کے تذکرے میں گذر چکیں۔

آپؓ کے اِسلام لانے میں کافی تاخیر ہوئی، جنگِ بدر میں کفار کی طرف سے شریک ہوئے، پھر گرفتار ہوکر مدینہ منورہ آئے، فدیہ میں اپنی زوجہ کا وہ ہار پیش کیا جو اُن کو سیدہ خدیجہؓ نے نکاح کے موقع پر دیا تھا، وہ واپس کردیا گیا اور اہلیہ کو مدینہ منورہ پہنچانے کے وعدہ پر رہا کردیا گیا۔

واپس جا کر اپنی طبعی شرافت اور صدق کا مظاہرہ کرتے ہوئے پہلی فرصت میں ایفائے وعدہ کیا۔

پھر ہُدنہ (صلح کی مدت) کے دوران سنہ ۶ ھ میں، کفارِ مکہ کا ایک تجارتی قافلہ شام سے واپس آرہا تھا، اُس کو مکہ کے مظلومین (مسلمانوں) کی جماعت پر مشتمل، ساحلِ جدہ پر مقیم حضرت ابوجندلؓ اور ابوبصیرؓ کے لشکر نے گرفتار کر کے اُن کے سارے مال پر قبضہ کرلیا، قافلہ میں جناب ابوالعاصؓ بھی تھے، آپ کو سیدہ زینبؓ نے اَمان دے دی، رسول اللہ ﷺ نے اِس اَمان کو قبول فرماتے ہوئے، مال سمیت ان کی رہائی کا حکم دے دیا، یہ مال لے کر مکہ مکرمہ پہنچے، وہاں جا کر متعلقہ لوگوں کی امانتیں اُن کے حوالے کیں، اُس کے بعد کفارِ مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

قریش کے لوگو! کیا کسی کی کوئی امانت میرے ذمہ باقی رہ گئی ہے؟ سب نے کہا نہیں، اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ پھر آپ نے سب کے سامنے کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے قبولِ اِسلام کا اِعلان فرمادیا اور فرمایا کہ میں یہ کام مدینہ میں بھی کرسکتا تھا؛ مگر مجھے خیال ہوا کہ تم لوگ کہو گے کہ ہمارا مال ہڑپ کرنے کے لیے اِسلام قبول کرلیا۔

اس کے بعد آپؓ فتحِ مکہ سے کچھ پہلے (محرم سنہ ۷ ھ میں) ہجرت کر کے مدینہ منورہ حاضر ہوگئے، رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے اور حضرت زینبؓ کو پھر آپؓ ہی کے ساتھ کردیا (مستقل نکاح کے ذریعے، یا گذشتہ عقد ہی کی بنیاد پر؛ اِس میں دونوں ہی روایتیں ہیں)۔

پھر جب آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو یمن کا قاضی بنا کر روانہ کیا تو حضرت علیؓ نے اپنے ساتھ حضرت ابوالعاصؓ کو بھی لے لیا اور جب حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت علیؓ مکہ کے لیے روانہ ہوئے تو ابوالعاصؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر آئے۔

(سیر أعلام النبلاء ۱/۳۳۰، والإصابۃ: ۱۰۱۸۲)

وفات: سنہ ۱۲ھ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں آپ کی وفات ہوئی، آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا وصی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بنایا تھا۔

فضائل ومناقب:

[۱] ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے آپؓ کے بارے میں تعریفی کلمات کہے اور اِرشاد فرمایا: حدثني فصَدَقني، ووَعدَني فوَفى لي [بخاری:۳۱۱۰، مسلم:۲۴۴۹] (مجھ سے جو بات کی سچی کی، جو وعدہ کیا پورا کیا)۔

[۲] واقدی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے آپؓ کے بارے میں یہ بھی فرمایا تھا: ما ذممنا صهر أبي العاص [طبقاتِ ابن سعد ۸/۲۶] (اپنی بیٹی کے سلسلے میں مجھے ابو العاص سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی)۔

(۲) خلیفۂ راشد (ثالث) امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ:

نام ونسب: عثمان بن عفان بن اُمیہ بن ابی العاص بن عبد شمس بن عبد مناف القرشی الأموی۔ آپ رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب بھی عبد مناف پر حضور اقدس ﷺ کے نسب سے جا ملتا ہے۔

کنیت: ابو عبد اللہ اور ابو عمرو۔

لقب: ذو النورین، آپ کا یہ لقب یا تو اِس لیے پڑا کہ آپ کے نکاح میں یکے بعد دیگرے دو نبی زادیاں آئیں اور یہ فضیلت اولین وآخرین میں کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔

یا اِس وجہ سے کہ جب آپؓ جنت میں داخل ہوں گے تو آپؓ کے سامنے مخصوص قسم کے دو نور چمکیں گے۔

یا اِس وجہ سے کہ آپؓ ہر شب میں ختمِ قرآن فرمایا کرتے تھے، تو ایک نور قیام اللیل کا، دوسرا ختم قرآن کا۔ (الإصابة: ۲۴۸۵، وزرقانی ۱/۴۵۷)

ماں کا نام: اَروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس العبشمیہ۔

اَروی کی والدہ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی بیضاء بنت عبد المطلب تھیں، اِس طرح اَروی آپ ﷺ کی پھوپھی زاد بہن اور حضرت عثمان نانیھال کی طرف سے آپ کے بھانجے ہوئے، جب کہ دادھیال کی طرف سے بھتیجے ہوتے تھے۔

ولادت: حضرت عثمانؓ کی پیدائش واقعۂ فیل کے تقریباً چھ سال بعد ہوئی۔

ذاتی حالات: آپؓ انتہائی خوب رو، روشن جبیں، معتدل القامۃ، کثیف اللحیہ اور نہایت وجیہ تھے، آپؓ کے اور آپؓ کی اہلیہ حضرت رقیہؓ کے حسن وجمال اور خوبصورتی کی مثال دی جاتی تھی، حتی کہ ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عثمان کے اندر حضرت اِبراہیم علیہ السلام کی شباہت آتی ہے۔

(سیر أعلام النبلاء، تذکرہ حضرت عثمان: ۱۵۰-۱۵۲)

محسن الامہ سیدنا حضرت ابو بکر صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی سعیٔ مشکور سے ابتدائے اِسلام ہی میں مسلمان ہو گئے، اِسلام لانے والے مردوں میں آپ چوتھے شخص تھے۔

آپؓ اپنے کمالِ شرافت ونجابت اور وفورِ سعادت ولیاقت سے جلد ہی آنحضرت ﷺ کے خصوصی مقربین اور معتمدین میں شامل ہو گئے، تا آنکہ آپ نے اپنی بیٹی رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی آپؓ سے کر دیا۔

ابتدائے اِسلام ہی میں آپ دونوں میاں بیوی کو اللہ کے راستے میں سخت تکالیف اور صعوبتوں سے گذرنا پڑا، آخر سنہ ۵ نبوی میں گیارہ مردوں اور چار عورتوں پر مشتمل پہلے مہاجر قافلے میں شامل ہو کر، بایمائے نبوی آپ دونوں نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی، وہاں رہے، وہیں صاحبزادہ عبداللہ کی پیدائش بھی ہوئی۔

پھر جب سورۂ نجم کے سجدے کی بنا پر یہ خبر اُڑی کہ اہلِ مکہ نے اِسلام قبول کرلیا ہے تو اِس خبر سے متاثر ہوکر آپ مع اہل وعیال مکہ واپس آگئے، یہاں آکر معلوم ہوا کہ خبر جھوٹی تھی؛ مگر دوبارہ جانے کا موقع نہ ہوسکا، یہیں سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔

وہاں ۲ ھ میں بدر کا معرکہ پیش آیا، اتفاقاً اُس وقت آپؓ کے نکاح میں موجود نبی زادی بیمار تھیں، اُن کی تیمارداری کے لیے آنحضرت ﷺ نے آپؓ کو مدینہ ہی میں چھوڑ دیا؛ مگر عین فتح کے دن رفیقۂ حیات داغِ مفارقت دے گئیں، آپ ﷺ نے غزوہ کے ثواب میں شرکت کی بشارت سے اور غنیمت میں حصہ کی سعادت سے سرفراز فرمایا۔

پھر ۳ ھ میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کو آپ کے نکاح میں دے دیا، جو صرف چھ سال آپؓ کے نکاح میں رہ کر ۹ ھ میں وفات پاگئیں، آپ ﷺ کو سخت قلق ہوا اور آپ نے فرمایا کہ اگر میرے (بن بیاہی) کوئی اور بیٹی ہوتی تو میں اُس کو بھی عثمانؓ ہی کے نکاح میں دے دیتا۔

اِدھر صاحبزادہ حضرت عبداللہ جو حضرت رقیہؓ کے بطن سے تولد ہوئے تھے سنہ ۴ھ میں وہ بھی فوت ہوگئے تھے۔

پھر آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپؓ نے مختلف اوقات میں کل چھ نکاح فرمائے، جن سے مجموعی طور پر چودہ کے قریب اولاد ہوئی، جن میں ابان بن عثمانؒ اور عمرو بن عثمانؒ اپنے علمی وحدیثی اِشتغال کی بنا پر زیادہ مشہور ہوئے۔

آنحضرت ﷺ کے اِنتہائی تقرب اور اِختصاص کے بعد، آپؓ حضراتِ شیخینؓ کے بھی معتمدِ خاص اور مشیرِ کار رہے، اُس کے بعد حضرت عمرؓ کی بنائی ہوئی شوریٰ نے

رائے عامہ اور خواصِ اُمہ کا لحاظ کرتے ہوئے آپؓ ہی کو تیسرا خلیفہ اور امیر المؤمنین نامزد کر دیا۔

چنانچہ آپؓ ۴ر محرم الحرام ۲۴ھ کو مسلمانوں کے متفقہ امیر اور خلیفۃ المسلمین کے طور پر تختِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے اور تقریباً بارہ سال کی حکومت کے دوران اِیران اور روم کی فتوحات کی تکمیل کے علاوہ افریقہ، خراسان اور موجودہ روس و یورپ کے بہت سارے علاقے بھی اِسلامی حدود میں شامل کیے گئے، اِسلامی تاریخ کا پہلا بحری جنگی بیڑہ تیار کر کے قبرص جیسا تاریخی شہر فتح کیا گیا۔

آپؓ کی زندگی کا بھی اور دورِ حکومت کا بھی سب سے بڑا کارنامہ لغتِ قریش کے موافق جمعِ قرآن فرمانا اور مصحف شریف کو مرتب و مدون کرا کے آفاق واَمصار میں پہنچانا ہے۔

اِسی طرح مسجدِ نبوی کی توسیع اور تزئین بھی آپ کے زریں کارناموں میں سے ایک اہم کارنامہ ہے۔

آپؓ کے خلوص وللٰہیت اور حسنِ تدبیر سے اِسلامی خلافت ہر طرح کی ترقی اور کامیابی کی منازل نہایت نیک نامی سے طے کر رہی تھی، کہ اچانک ۳۰ھ کے بعد نبوی پیشین گوئیوں کے عین مطابق کچھ اندرونی فتنوں نے سر اُبھارنا شروع کیا، جن کی انتہا اِس پر ہوئی کہ خیبر سے نکالے گئے یہود، اِیران کے شکست خوردہ مجوس اور کچھ اُن کے پروپیگنڈوں سے متاثر سادہ لوح عوام پر(۱) مشتمل باغیوں کا ایک بڑا ٹولہ تیار ہو گیا اور

(۱) (جن میں کچھ تو غالی قسم کے شخصیت پرست تھے، جو بعد میں ''شیعہ'' کہلائے اور کچھ غالی قسم کے عالم تھے، جو بعد میں ''خوارج'' کہلائے۔ معاویہ سعدی)

اُس نے سیدنا حضرت عثمانؓ اور آپ کے عمال و گورنروں کے خلاف خطرناک سازشوں کا جال بننا اور اُلٹے سیدھے الزامات لگا کر عوام الناس کو بہکانا اور بدگمان کرنا شروع کیا۔

اور آخر آخر میں عراق و مصر کے ڈیڑھ دو ہزار شر پسندوں اور کچھ مغلوب الحال لوگوں پر مشتمل اِس ٹولے نے، ۳۵ھ کے اواخر میں حج کے عنوان سے دارالخلافۃ مدینہ منورہ پر ہی دھاوا بول دیا، سیدنا حضرت عثمانؓ اپنی نرم مزاجی اور شرافتِ طبع سے آخر دم تک اُنھیں طرح دیتے اور نظر انداز ہی کرتے رہے اور صلح و مصالحت کی راہ نکالنے کی کوشش فرماتے رہے۔

مگر اِس شقی اور بد بخت ٹولے نے حضرتؓ کی نرم مزاجی کا بھر پور اور ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بھری مسجد میں آپؓ سے گستاخی شروع کردی اور آہستہ آہستہ آپؓ کو گھر میں محصور رہنے پر مجبور کردیا۔

اِدھر حضراتِ صحابہ میں سے کچھ تو حج کے لیے روانہ ہو چکے تھے اور باقی جو تھے اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ (روافض و خوارج پر مشتمل) باغیوں کا یہ گروہ اُمیر المؤمنین کی جان ہی کے درپئے ہے، وہ حضرات اُن کی اَب تک کی کاروائیوں کو اپنے مطالبات منوانے کا (نامناسب ہی سہی، مگر) ایک سیاسی طریقہ ہی سمجھ رہے تھے۔

یہاں تک کہ ان شر پسندوں نے اپنی پوری جمعیت اکٹھی کر کے حضرتؓ کے درِ دولت کا باقاعدہ محاصرہ کرلیا، کھانے پینے کی سہولتیں منقطع کردیں، لوگوں کو آنے جانے سے روک دیا اور مطالبہ کرنے لگے کہ یا تو حضرت عثمانؓ خود کو ہی خلافت سے دستبردار کرلیں، یا اپنے متعین کردہ تمام گورنروں کو معزول کردیں، یا کم از کم مروان بن الحکم کو ہمارے حوالے کردیں؛ ورنہ پھر ہم قتل کا اِقدام کردیں گے۔

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اِن جاں گسل حالات میں بھی پوری ثبات قدمی اور اولوالعزمی کا معاملہ فرماتے ہوئے باغیوں کے کسی بھی مطالبہ کو ماننے سے صاف اِنکار فرمادیا اور کچھ نبوی پیشین گوئی اور وصیت کے پیشِ نظر اور کچھ حرمتِ مدینہ کے خیال سے، باوجود

وہاں موجود اہلِ خاندان اور صحابہ (بالخصوص حضرت سعد، ابو ہریرہ، ابن عمر، ابن الزبیر، حضراتِ حسنین اور مروان رضی اللہ عنہم اجمعین) کی خواہش اور اِصرار کے، اُن شر پسندوں کے اِستیصال اور مقابلہ کے لیے بھی تیار نہیں ہوئے۔

کچھ مخلصین و محبین نے اپنے طور پر شر پسندوں کو دفع کرنا اور اُن کی جمعیت کو منتشر کرنا چاہا؛ مگر کامیابی نہیں ملی، بلکہ اپنے ہی کچھ حضرات شہید ہوگئے، حضرت عثمانؓ نے اللہ کا واسطہ دے کر اُن کو قتال سے منع فرمایا۔

وفات: یہاں تک کہ (مشہور قول کے مطابق) ۱۸ رذی الحجہ ۳۵ھ کو جمعۃ المبارکۃ کا دن آپہنچا، آپؓ نے اہتمام سے روزہ رکھا اور صبح کو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ خواب میں تشریف لائے تھے اور اِرشاد فرمایا کہ اِفطار ہمارے ساتھ آکر کرنا۔

صحابہ و محافظین سمجھ گئے کہ اَب بچاؤ اور حفاظت کی تدابیر کارگر نہیں ہوں گی؛ چنانچہ ایک ایک کرکے وہاں سے جانا شروع ہوگئے، دشمنوں کے حوصلے بلند ہوگئے، وہ آپؓ کے مکان کی دیوار اور چھت پر چڑھ کر اندر کودنے لگے، حضرتؓ نے اُن کو خطاب کرتے ہوئے آخری بات یہ اِرشاد فرمائی کہ اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو مسلمان آئندہ کبھی متحد اور متفق نہیں ہوسکیں گے اور کبھی ایک جھنڈے تلے کافروں سے جہاد نہیں کرسکیں گے۔

مگر اُن دشمنوں پر اِس کا کیا اثر ہوتا، وہ تو گئے ہی تھے اِسلام کی جڑیں کاٹنے اور بنیادیں کھودنے، یہی تو اُن کا مطلوب اور مقصود تھا کہ مسلمانوں کا شیرازہ بکھر جائے اور اللہ کے دشمنوں سے برسرِ پیکار شمشیریں خود اپنوں کے دامنوں سے اُلجھ کر بیکار ہو جائیں۔

حضرتؓ روزے کی حالت میں تھے، قرآن کی تلاوت میں مصروف تھے، سفاک ستم گروں نے آگے بڑھ کر تلوار سے وار کیا، جس کو آپؓ کی وفا شعار بیوی نائلہ بنت الفرافصہ الکلبیہ نے روکنے کی ناکام کوشش کی، انگلیاں زد میں آگئیں اور ''انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام لکھوانے کی'' کہاوت پوری ہوئی۔

اُس کے بعد یکے بعد دیگرے خنجر، نیزے اور تلوار کے حملوں سے مجروح ہو کر، مظلومِ اُمت سیدنا حضرت عثمانؓ نے جان، جان آفریں کے حوالے کی اور جامِ شہادت نوش فرماتے ہوئے، اِفطار کرنے آنحضرت ﷺ کے حضور حاضر ہو گئے رضي الله عنه وأرضاه عنا۔

سرِ مبارک مصحف شریف کی طرف جھک گیا، کھلے ہوئے اوراق خون آلود ہو گئے، چہرۂ مبارک نورِ شہادت سے تمتمانے لگا، جس کا اعتراف بے رحم قاتلوں نے بھی کیا؛ مگر اِس کے باجود لاش کی بے حرمتی سے باز نہیں آئے (نتیجتاً اُن میں سے ہر ایک اپنے اپنے وقت پر ذلت اور بے بسی کی موت مرا)۔

آپؓ کا جسدِ مبارک دن بھر یونہی پڑا رہا، رات کے وقت کچھ خواص نے کوشش کر کے نعش وہاں سے اٹھائی اور خفیہ طور پر نمازِ جنازہ پڑھ کر جنت البقیع کے قریب ''حش کوکب'' نامی جگہ میں دفن کر دیا، آپؓ کے ساتھ صبیح اور نجیح نامی آپؓ کے دو غلام بھی شہید ہو گئے تھے، اُن کے بھی کفن دفن کا انتظام کیا گیا۔

آپؓ نے مشہور قول کے مطابق ۸۰ سے کچھ زائد (۸۱ یا ۸۲ سال) عمر پائی۔

رازدارِ رسول حضرت حذیفہ بن الیمانؓ فرماتے تھے کہ: اِسلام میں فتنوں کی ابتدا قتلِ عثمان سے ہوگی اور اِنتہا فتنۂ دجال پر ہوگی۔ اور باغیوں کو مخاطب کر کے فرماتے تھے کہ: اگر تمہارا یہ اِقدامِ قتل، خیر ہوا پھر تو تم اُن کے قتل کے بعد ''دودھوں نہاؤ گے'' اور اگر شر ہوا تو ''خون کی ندیاں بہہ پڑیں گی''۔ چنانچہ بعد کے حالات نے بھی ثابت کر دیا کہ یہ سراسر شر تھا، جس کا خمیازہ اُمت آج تک بھگت رہی ہے۔

حضرت حذیفہؓ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ: جس کے قلب میں ذرہ برابر بھی حضرت عثمانؓ کے قتل پر رضا پائی گئی تو وہ دجال کے فتنے میں بھی ضرور پڑے گا؛ حتی کہ اگر وہ خروجِ

دجال سے پہلے ہی مر گیا تو قبر کے اندر اُس پر ایمان لائے گا، نعوذ بالله من الكفر والشرك والنفاق بعد الإسلام والإيمان والإحسان، ومن الحور بعد الكور، ومن الغواية بعد الهداية۔ (مستفاد از: البداية والنهاية ١٠/٢٧٠-٣٣٠)

فضائل ومناقب:

ذوالنورین، خلیفۂ راشد اور حضرت عمرؓ کی تجویز کردہ چھ نفری شوریٰ کے اہم ترین رکن ہونے کے علاوہ بھی حضرت عثمانؓ کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں، چند ایک یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

[۱] آپؓ اُن مخصوص دس صحابہ میں سے ایک ہیں جن کو آنحضرت ﷺ نے ایک ہی مجلس میں خصوصی طور پر جنت کی بشارت عطا فرمائی۔ (ترمذی: ۳۷۴۸) اِس حدیث کا ثبوت تواتر تک پہنچا ہوا ہے۔

[۲] آپؓ ابوبکرؓ وعمرؓ کے ساتھ اُن تین خوش قسمت صحابہ میں سے ایک ہیں جن کو آنحضرت ﷺ نے متعدد مرتبہ جنت کی بشارت سے نوازا ہے۔

[۳] رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ: جنت میں ہر نبی کا کوئی نہ کوئی رفیق (اَنیس) ہوگا، میرے رفیق عثمان ہوں گے (ترمذی:۳۶۹۸)۔

[۴] آپؓ کی شرم وحیا ضرب المثل ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر آپؓ کے اِس وصف کا لحاظ اور تذکرہ فرمایا:

(۱) ایک مرتبہ اِرشاد فرمایا: أصدقهم حياءً عثمان بن عفان [ترمذی:۳۷۹۰] (صحابہ میں سب سے زیادہ فطری اور طبعی حیا عثمان کے اندر ہے)۔

(۲) ایک مرتبہ فرمایا: ألا أستحيي من رجل تستحيي منه الملائكة [مسلم: ۲۴۰۱] (کیا میں ایسے شخص کی حیا کا لحاظ نہ کروں جس کی حیا کا لحاظ ملائکہ بھی کرتے ہیں؟)۔

(۳) ایک مرتبہ فرمایا: رحم اللّٰہ عثمان، تستحییہ الملائکۃ [ترمذی:۳۷۱۴] (اللہ عثمانؓ پر رحم فرمائیں، اُن کی حیا کا لحاظ تو فرشتے بھی کرتے ہیں)۔

(۴) اِسی فطری حیا کا اثر تھا کہ زندگی بھر کبھی زنا کے قریب بھی نہیں گئے۔

(۵) جس ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت فرمائی اُس کو کبھی اپنی شرم گاہ پر نہیں لگایا۔

[۵] مدینہ منورہ آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپؓ کی کمائی میں خوب برکت فرمائی، جس سے آپؓ کا شمار مدینہ کے بڑے تاجروں، دولتمندوں اور اَصحابِ ثروت میں ہونے لگا اور آپؓ اپنی اِس دولت کا اِستعمال اِسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لیے نہایت فراخ دلی سے فرماتے تھے، چنانچہ:

(۱) نمازیوں کی کثرت کی بنا پر مسجدِ نبوی کی وسعت ناکافی ہونے لگی تھی، مسجد سے متصل آراضی کا ایک ٹکڑا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اِعلان فرمایا کہ کون ہے جو اِس قطعہ کو خرید کر مسجد میں شامل کردے؟ حضرت عثمانؓ آگے بڑھے اور یہ سعادت اپنے حصہ میں ڈال لی۔

(۲) مدینہ منورہ میں میٹھے پانی کی قلت تھی، میٹھے شفاف پانی کا صرف ایک کنواں تھا، جو رُومہ الغفاری نامی ایک شخص کی ملکیت تھا، وہ اُس کا پانی ایک مد جو کے بدلے بیچتا تھا، یہ صورت صحابہؓ کے لیے گراں باری کا باعث تھی، آپ ﷺ نے اُسے ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ: کیا تم جنت کی نہر کے بدلے اِس کنویں کو بیچنا (وقف کرنا) پسند کروگے؟ اُس نے عرض کیا: حضور! میں ایک غریب آدمی ہوں، میرے پاس کوئی اور ذریعۂ معاش نہیں ہے، اِس لیے میرے لیے ایسا کرپانا مشکل ہوگا۔

حضرت عثمانؓ کو یہ سب بات معلوم ہوئی، وہ حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ اگر میں اُسے خرید کر وقف کردوں تو کیا میرے لیے بھی جنت کی نہر کا وعدہ ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ضرور۔ چنانچہ آپؓ نے ایک خطیر رقم سے وہ کنواں خرید کر وقفِ عام کر دیا، جو آج بھی "بئر عثمان" کے نام سے مدینہ منورہ میں موجود اور زیارت گاہِ خاص وعام ہے۔

بئرِ رومہ کی خرید کے سلسلے میں ایک دوسری روایت یہ ہے کہ جس وقت یہ معاملہ ہوا اُس وقت یہ کنواں ایک یہودی خرید چکا تھا، تو آپؓ کا معاملہ اُس یہودی سے ہوا۔ واللہ اعلم۔

(۳) غزوۂ تبوک کو "جیشِ عُسرۃ" بھی کہا جاتا ہے؛ اِس لیے کہ مدینہ سے سینکڑوں میل کے فاصلے پر وقت کی سپر پاور سے مقابلہ تھا، یہاں مدینہ میں آمدنی کا بڑا ذریعہ کھجور کے باغات تھے، جو تیاری کے آخری مراحل میں تھے، اُس غزوہ کے موقع پر آپ ﷺ نے صحابہؓ کو جمع فرما کر اللہ کے راستے میں مالی اِمداد کرنے اور چندہ دینے کی خصوصی ترغیب دی، ہر صحابی نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اس میں حصہ لیا۔

سیدنا حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار دینار، سو اونٹ (اور ایک روایت کے مطابق تین سو اونٹ) اور پچاس گھوڑے کا چندہ پیش فرمایا، رسول اللہ ﷺ فرطِ مسرت سے کھل اٹھے اور حضرت عثمانؓ کو دعائیں دیتے ہوئے دو مرتبہ اِرشاد فرمایا: ما ضرَّ عثمانَ ما عملَ بعد الیوم [مسند احمد: ۲۰۶۳۰، جامع ترمذی: ۳۷۰۱] (آج کے بعد عثمانؓ کچھ بھی کریں اُن کو کوئی عمل نقصان نہیں پہنچائے گا)۔

حضرت عثمانؓ خود فرماتے ہیں کہ اُس غزوہ میں آدھے لشکر کا خرچ میں نے اُٹھالیا تھا۔

(مسند احمد: رقم ۴۲۰، و۵۱۱، و۱۶۶۹۶)

[٦] صلحِ حدیبیہ کے موقع پر آپؓ کو اہلِ مکہ سے گفت وشنید کے لیے بھیجا گیا تھا، وہاں مکہ والوں نے آپؓ کو روک لیا، اِدھر کسی نے آپؓ کی شہادت کی غلط اِطلاع دے دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ موجود صحابہ کو جمع فرما کر اُن سے بیعتِ جہاد لیا اور اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر مارتے ہوئے فرمایا کہ یہ عثمان کی طرف سے بیعت ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: فكانت يد رسول الله ﷺ لعثمان خيراً من أيديهم لأنفسهم (تو حضور کا اپنے دستِ مبارک کو عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیتے ہوئے اُس سے بیعت فرمانا؛ یہ لوگوں کے اپنے ہاتھوں سے آپ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت ہونے سے کہیں افضل تھا)۔

(۴) خلیفۂ راشد (رابع) امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ:

نام ونسب: علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف القرشی الہاشمی۔

ابوطالب کا نام: عبد مناف۔ عبد المطلب کا نام: شیبہ۔ ہاشم کا نام: عمرو۔ اور عبد مناف کا نام: مغیرۃ ہے۔

حضرت علیؓ دامادوں میں نسب کے اِعتبار سے حضور اقدس ﷺ کے سب سے زیادہ قریبی ہیں، آپ کے حقیقی چچا زاد بھائی ہیں، اِس لیے کہ جنابِ عبد المطلب پر ہی دونوں کا سلسلۂ نسب مل جاتا ہے۔

کنیت: ابو الحسن، ابو الحسنین، ابو القصم، ابو تراب۔

آپؓ کو سب سے محبوب کنیت ''ابو تراب'' تھی، حضرت سہل فرماتے ہیں: ما كان لعلي اسم أحب إليه من أبي التراب، وإن كان ليفرح إذا دعي به [مسلم:۲۴۰۹] (حضرت علیؓ کو ابو تراب سے زیادہ اپنا کوئی نام محبوب نہیں تھا، جب اس نام سے پکارا جاتا تو آپؓ خوش ہو جاتے)۔

لقب: حیدر (شیر)، ذو البرقہ (بجلی جیسا)۔

ماں کا نام: فاطمہ بنت اسد بن ہاشم القرشیہ الہاشمیہ۔

ماں کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب حضور اقدس ﷺ سے ہاشم پر مل

جاتا ہے، اِس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ ماں اور باپ دونوں طرف سے ہاشمی الاصل اور نجیب الطرفین ہیں۔

ولادت: بعثت سے دس سال (یا آٹھ سال) قبل پیدائش ہوئی۔

ذاتی حالات: دس سال کی عمر میں اِسلام لے آئے، ایک قول یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بعد آپؓ ہی سب سے پہلے اِسلام لائے، دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد تیسرے نمبر پر اِسلام لائے اور یہ تو بہرحال طے ہے کہ بچوں میں سب سے پہلے اِسلام لانے والے آپؓ ہی ہیں۔

ویسے بھی آپؓ کو حضور اقدس ﷺ سے بہت زیادہ اُنس اور قرب تھا، مگر اِسلام لانے کے بعد تو پورے طور آپ ہی کے ساتھ، آپ ہی کی پرورش اور تربیت میں رہنے بھی لگے۔

مکہ مکرمہ کے تیرہ سالہ دور میں رسول اللہ ﷺ کے قدم بقدم اور شانہ بشانہ رہے، ہجرت کی شب میں آپ کی نیابت میں آپ کے بستر پر آرام فرمایا اور صبح کو اٹھ کر محاصرہ پر کھڑے مشرکین کے سوالات کا سامنا کیا، متعلقہ لوگوں کی امانتیں حوالے کیں اور ہجرت کر کے خود بھی مدینہ پہنچ گئے۔

وہاں جب آپ ﷺ نے مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات کرائی تو آپؓ کو اپنا بھائی قرار دیتے ہوئے خود اپنے ہی ساتھ رکھا اور جلد ہی (ہجرت کے پہلے ہی سال) اپنی محبوب اور جلیل القدر صاحبزادی سیدہ فاطمہؓ سے نکاح بھی فرمادیا، پھر رخصتی غزوۂ بدر کے بعد ۲ ھ کے اواخر، یا ۳ ھ کے اوائل میں ہوئی۔

آپؓ غزوۂ بدر میں اِسلامی لشکر کے اولین مبارزین میں رہے اور اپنی قوت وشجاعت اور بہادری وجوانمردی کا سکہ جمادیا۔

اِسی طرح غزوۂ اُحد، غزوۂ خندق اور غزوۂ خیبر میں بھی آپؓ کا کردار اِسلامی فوج کے

بطلِ جلیل اور حیدرِ کرّار کے طور پر سامنے آیا، اکثر غزوات میں اِسلام کا جھنڈا آپؓ کے ہاتھوں میں رہتا۔

غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد حضورﷺ نے آپؓ کو یمن کا والی اور قاضی بنا کر بھیجا، جہاں آپؓ کے کمالِ فہم وتدبر اور وفورِ علم وتفقہ کے خوب جوہر کھلے اور آپؓ نے وہاں مختصر سی مدت میں کئی یادگار مثالی فیصلے فرمائے۔

۹ ھ میں جو حج حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اِمارت میں کرایا گیا، اُس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے نام اپنا خصوصی پیغام پہنچانے اور سنانے کے لیے حضرت علیؓ ہی کا انتخاب فرمایا تھا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر حضورﷺ مدینہ منورہ سے کچھ اونٹ بطور ہدی کے لائے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرتﷺ کے کچھ اونٹ یمن سے لائے اونٹوں کی کل تعداد سو ہوگئی جن میں سے تریسٹھ اونٹ آپ نے تن تنہا اپنے دستِ مبارک سے نحر فرمائے، پھر باقی کی قربانی اور نحر حضرت علیؓ کے سپرد فرمایا۔

حضورِ اقدسﷺ کے مرض الوفات میں بھی آپؓ خصوصی تیمار داروں میں شامل رہے اور بعد اَز وفات تجہیز، تکفین اور تدفین کے مراحل میں بھی پیش پیش رہے۔

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اِعلان ہوجانے کے بعد آپؓ نے بھی بیعت فرمائی اور اپنے قیمتی مشوروں سے خلافت کی بنیادیں مضبوط سے مضبوط تر فرماتے رہے۔

پھر سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کے دستِ حق پرست پر بھی بیعت فرمائی اور آپؓ کے خصوصی مشیر اور وزیر کی حیثیت سے آپؓ کے دست وبازو بنے رہے، حتیٰ کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے: أعوذ باللہ من معضلة ولا أبو حسن لها [سیر أعلام النبلاء: سیرتِ علیؓ، ص: ۲۳۹، البدایہ والنہایہ ۱۱/ ۹۸] (میں ابوالحسن کے بغیر کسی مشکل مسئلہ کے سامنے آنے سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں)۔

پھر جب سیدنا حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے وقت چھ نفری مجلسِ شوریٰ نامزد فرمائی تو اُس میں آپؓ کا نام بھی تھا، مگر اُس وقت خلافت کے لیے قرعۂ فال حضرت عثمانؓ کے نام نکل آیا، اِس لیے آپؓ اگلے دورِ حکومت میں بھی بحیثیت مشیر اور وزیر ہی کے رہے اور اہم مواقع پر مفید مشوروں اور ہدایات سے نوازتے رہے۔

بعد ازاں ۳۵ھ کے آخر میں سیدنا حضرت عثمانؓ کی اندوہناک مظلومانہ شہادت کے بعد مہاجرین واَنصار اور اَربابِ حل وعقد کی ایک بڑی جماعت نے تو آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے آپ کو خلیفہ تسلیم کرلیا۔

مگر بعضے کبارِ صحابہ وتابعین کو یہ تحفظ ہوا کہ آپؓ کے ہاتھ پر اولاً اُن لوگوں نے بیعت کی ہے جو قتلِ عثمانؓ میں براہِ راست شامل رہے ہیں اور اَب وہی سازشی گروہ محبتِ اہلِ بیت کے خوشنما عنوان سے آپؓ کے اِردگرد جمع ہوکر، آپؓ کے فیصلوں پر اثر انداز ہورہا ہے۔

اِس لیے اِن حضرات نے بیعت کے لیے یہ شرط لگادی کہ پہلے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لیا جائے پھر ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوں گے۔

سیدنا حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اِس مطالبہ کی تکمیل کی یہی صورت ہے کہ آپ سب حضرات بیعت فرمالیں، پھر مجھے خلیفہ تسلیم کرتے ہوئے قصاص کا مقدمہ پیش کیا جائے، پھر جس جس پر جرم ثابت ہوجائے گا اُن سب کو قصاصاً قتل کیا جائے گا۔

مگر بظاہر قاتلینِ عثمانؓ پر مشتمل اُسی اِسلام دشمن سازشی گروہ کی ریشہ دوانیوں اور دونوں جماعتوں کے درمیان پیدا کی جانے والی غلط فہمیوں کے نتیجے میں بیعت کی اور مصالحت کی نوبت نہ آسکی اور آپسی اِختلاف اور تنازع اِس حد تک بڑھا کہ یکے بعد دیگرے دو بڑی جنگوں پر منتج ہوا۔

جنگ کے حالات کو دیکھتے ہوئے حضرت ؓ مدینہ منورہ سے کوفہ منتقل ہو گئے اور اپنا دار الخلافہ اُسی کو بنالیا۔

پہلی جنگ آپ ؓ کی خلافت کے اِنعقاد کے فوراً بعد ۳۶ھ میں ''جنگِ جمل'' کے نام سے پیش آئی، جس میں آپ ؓ کے بالمقابل جماعت کی قیادت اُم المؤمنین سیدہ عائشہ ؓ نے فرمائی، سیدنا حضرت علی ؓ نے فتح کے بعد فریقِ مخالف کے ساتھ جس کریمانہ اور شریفانہ اَخلاق کا معاملہ فرمایا وہ آپ ؓ کی ہاشمی نجابت اور نبوی تربیت کا بہترین نمونہ ہے۔

دوسری جنگ ۳۷ھ میں ''جنگِ صفین'' کے نام سے پیش آئی، جس میں بالمقابل جماعت کی قیادت سیدنا حضرت امیر معاویہ ؓ فرمارہے تھے، وہاں بھی جس طرح حضرت علی ؓ کے فتح کی دہلیز پر پہنچ جانے کے بعد، اچانک جنگ کا رخ صلح کی طرف موڑنے کی پیش کش کی گئی اور آپ ؓ نے پوری فراخدلی اور خندہ پیشانی کے ساتھ قبول فرمالی؛ یہ بھی آپ ؓ کے خلوص وللٰہیت اور تقوی واِنابت کی شاندار مثال ہے۔

صلح کی جو کوشش کی گئی اُس نے تحکیم کی صورت اِختیار کرلی، حضرت ابوموسی اشعری ؓ اور حضرت عمرو بن العاص ؓ حکم مقرر ہوئے، مگر بعض وجوہ سے اِن حضرات کے فیصلے آپسی مناقشات اور منازعات ختم کرانے کے سلسلے میں وہ اثرات نہیں چھوڑ سکے جن کی توقع کی جارہی تھی، نتیجتاً اِختلافات اور تنازعات اپنی جگہ قائم رہے، البتہ وقتی شدت میں کچھ کمی ضرور آگئی۔

ادھر حضرت علی ؓ کے لشکر کے جن لوگوں نے اُس جیتی ہوئی جنگ میں صلح کے فیصلے کو قبول نہیں کیا اور آپ ؓ کے مخالف ہو کر لشکر سے علیحدہ ہو گئے وہ ''خوارج'' کہلائے، وہ لوگ تقریباً بارہ ہزار باغیوں پر مشتمل ایک ٹولہ لے کر مقامِ ''حروراء'' میں مقیم ہو گئے اور سیدنا حضرت علی ؓ اور امیر معاویہ ؓ دونوں ہی کی تکفیر کرنے لگے اور لوگوں کو دونوں ہی کے خلاف

جنگ اور فتنہ پر اُبھارنے لگے، بلکہ عام مسلمانوں کے ساتھ لوٹ مار اور قتل وغارت بھی کرنے لگے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تفصیلات معلوم ہوئیں تو آپؓ نے پہلے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو گفت وشنید کے لیے بھیجا، جس سے تقریباً چار ہزار لوگ تائب ہوکر واپس آگئے، باقی کی طرف سے فتنہ سامانیوں کا سلسلہ جاری رہا، آخر حضرت علیؓ نے اُن کے خلاف لشکر کشی کی، مقامِ ''نہروان'' میں سامنا ہوا، اِبتدائی پیام ومراسلت سے کچھ اور لوگ بھی تائب ہوکر جمہور مسلمانوں سے آملے، باقی اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہے، جن سے جنگ کی نوبت آئی اور بعد چندے فتح وکامرانی سیدنا حضرت علیؓ کے ہاتھ آئی، اِس طرح ایک مشہور نبوی پیشین گوئی پوری ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا تھا:

تَمرُق مارقةٌ عند فُرقة من المسلمين، يقتلها أولى الطائفتين بالحق[مسلم: ۱۰۶۴] (مسلمانوں کے آپسی اِختلاف کے وقت ایک فرقہ دونوں جماعتوں سے الگ ہوجائے گا، جس کو دونوں میں سے وہ جماعت قتل کرے گی جو حق کے زیادہ قریب ہوگی)۔

خوارج سے یہ معرکہ صحیح قول کے مطابق سنہ ۳۸ھ میں پیش آیا۔

۳۸ھ اور ۳۹ھ کے دوران حضرت امیر معاویہؓ نے اَز سرِ نو منظّم ہوکر اور مختلف لشکر ترتیب دے کر، سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زیرِ انتظام علاقوں پر مختلف جہات سے حملے شروع کردیئے، مگر بحیثیتِ مجموعی اکثر زیرِ انتظام علاقوں پر سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قابو اور قبضہ پوری طرح برقرار رہا، کئی جگہوں پر حضرت امیر معاویہؓ کے لشکر کو شکست ہوئی، اِیرانیوں کی ایک بہت بڑی بغاوت کو آپؓ کی فوج نے فرو کیا اور باغیوں کو شکست دے کر فتح حاصل کی۔

البتہ اِن سب کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لشکر کچھ تو خوارج کے الگ ہوجانے سے اور کچھ روافض کی بدعہدی، نافرمانی اور بار بار کی مخالفتوں کی وجہ سے کافی بدنظمی کا شکار ہوگیا تھا، اِس لیے بعض اہم علاقے حضرتؓ کے اِنتظام سے نکل بھی گئے۔

مزید برآں سنہ ۴۰ھ آتے آتے آپؓ کے اِرد گرد موجود شر پسندوں (روافض) نے اِسلام دشمنی میں آپؓ کے ساتھ اُس طرح کا سلوک کرنا شروع کر دیا جس طرح کا سلوک (ان کے اُستاد) یہودِ بے بہبود سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا کرتے تھے، بلکہ خود یہ لوگ بھی کچھ اسی طرح کا معاملہ سیدنا حضرت عثمانؓ کے ساتھ بھی کر چکے تھے، نتیجتاً حضرت علیؓ حد درجہ دل برداشتہ ہو گئے اور بعض نبوی پیشین گوئیوں کے تناظر میں موت کی تمنا تک فرمانے لگے۔

اِدھر بچے کھچے خوارج اپنی ذلت آمیز شکست اور انتشارِ جمعیت سے دل گرفتہ تھے اور اُمت کے موجودہ اساطین اور مؤثر اراکین کو نقصان پہنچا کر اپنا دل ہلکا کرنا چاہتے تھے، جس کے لیے عبد الرحمٰن بن عمرو (ابن مُلجم) الحمیری، بُرک بن عبد اللہ التمیمی اور عمرو بن بکر التمیمی نامی تین شخص جمع ہوئے، جن کا ظاہری زہد و عبادت اور تدین و تقویٰ ضرب المثل تھا۔

تینوں نے جمع ہو کر یہ منصوبہ تیار کیا کہ اِس وقت اُمت کی سیاسی کشتی کے کھیون ہار: علی، معاویہ اور عمرو بن العاص ہیں، اگر اِن تینوں کو راستے سے ہٹا دیا جائے تو اِسلام کی کشتی کو ڈبویا جا سکتا ہے (نعوذ باللہ)، اِس لیے ہم میں سے ہر ایک اُن میں سے کسی ایک کو قتل کرنے کی ذمہ داری لے اور طے شدہ ایک ہی دن اور ایک ہی وقت میں تینوں پر قاتلانہ حملہ کر دیا جائے۔

اِس کے لیے جمعہ کا دن، سترہ رمضان کی تاریخ اور فجر کی نماز کا وقت طے ہوا، ابن مُلجم نے سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری لی، بُرک بن عبد اللہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اور عمرو ابن بکر نے حضرت عمرو بن العاصؓ کی۔

مقدر کی بات! کہ متعینہ روز حضرت عمرو بن العاصؓ جو کہ والیٔ مصر تھے، کسی عذر کی وجہ سے خود مسجد نہیں آسکے اور اپنے نائب خارجۃ بن ابی حبیبہ العامری کو اِمامت کے لیے بھیج

دیا، جو خارجی کے حملے کی زد میں آ کر شہید ہو گئے، قاتل گرفتار ہو کر مارا گیا اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ محفوظ رہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جو کہ والی شام تھے، آپ رضی اللہ عنہ کو تلوار کولھے پر لگی، جس کے زہر کا اَثر تریاق سے دور کر لیا گیا اور حضرت جانبر ہو گئے، حملہ آور کو گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔

ادھر سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ جو کہ کوفہ میں مقیم تھے، اُن پر حملے کے لیے ابن ملجم نے اپنے ساتھ شبیب اور وَردان نامی دو خارجیوں کو اور شریک کر لیا، تینوں نے مل کر فجر کی نماز کے وقت زہر میں بجھی ہوئی تلواروں سے حضرت رضی اللہ عنہ کے اوپر حملہ کیا، محراب میں داخل ہوتے وقت کیے جانے والے پہلے وار میں آپ رضی اللہ عنہ گر پڑے، دوسرا وار آپ رضی اللہ عنہ کے سر پر ہوا جس سے زہر کا اثر پورے جسم میں تیزی سے پھیلنا شروع ہو گیا۔

شبیب تو بھاگ گیا، وَردان بھاگتے ہوئے مارا گیا اور ابن ملجم گرفتار کر لیا گیا اور بعد میں قصاصاً قتل کر دیا گیا۔

وفات: سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد اور خواص کو بلا کر کچھ ضروری نصیحتیں فرمائیں اور ایک پرچے پر کچھ وصیتیں لکھوائیں، دو دن حیات رہے، مگر لگنے والے گہرے اور زہریلے زخم سے جانبر نہ ہو سکے اور رمضان سنہ ۴۰ھ کی انیسویں شب میں، تقریباً تریسٹھ سال کی عمر میں جامِ شہادت نوش فرماتے ہوئے محبوبِ حقیقی سے جا ملے۔

سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور (صحیح قول کے مطابق) کوفہ کے دار الامارۃ میں تدفین عمل میں آئی۔

فضائل ومناقب:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں، حتیٰ کہ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روایات میں جس کثرت سے سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل منقول ہیں اس کثرت سے کسی اور صحابی

کے فضائل نقل نہیں کیے گئے ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ نواصب اور خوارج سیدنا حضرت علیؓ کے اوپر تبرا بکتے تھے، تو صحابہؓ نے آپؓ کے متعلق سنے ہوئے تمام فضائل کے نقل کرنے اور بیان کرنے کا خاص اِہتمام فرمایا۔

اور اِسی تناظر میں یہ بات بھی ہے کہ جب نواصب نے آپؓ پر طعن وتعریض کے طور پر آپؓ کو ''ابوتراب'' کہنا شروع کیا تو اہل السنۃ والجماعۃ نے آپؓ کے نام کے ساتھ دعائیہ کلمات کے طور پر ''کرم اللہ وجہہ'' لگانا شروع کردیا، جس سے خود بخود آپؓ کے اسم گرامی کو ایک خاص اِمتیاز حاصل ہوگیا۔

اِس کے برعکس روافض اور اِسلام دشمنوں نے آپؓ کے مناقب میں جھوٹی روایات بھی بکثرت گھڑی ہیں، جس کی وجہ سے اہل حق کو آپؓ سے متعلق فضائل کی روایات قبول کرنے میں بہت اِحتیاط بھی کرنی پڑی ہے، چنانچہ ''ردِّ شمس'' والی حدیث کو محدثین کی ایک جماعت نے موضوع قرار دیا ہے، اِسی طرح "أنا مدينة العلم وعلي بابها" والی روایت کو بھی جمہور محدثین منکر یا موضوع قرار دیتے ہیں۔

سیدنا حضرت علیؓ کی ذات والا صفات اِس سے کہیں بلند وبالا ہے کہ آپؓ کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے جھوٹی، من گھڑت اور منکر روایات کا سہارا لیا جائے، اِس لیے یہاں آپؓ کے فضائل پر مشتمل چند ثابت اور مشہور روایات کے پیش کرنے پر اِکتفا کیا جاتا ہے، وباللہ التوفیق، وھو المستعان۔

آپؓ بچوں میں سب سے پہلے اِسلام لائے، اِسلام لانے کے بعد تیئیس سال مسلسل حضور ﷺ کی تربیت اور سرپرستی میں رہے، آپ ﷺ نے آپؓ کو شرفِ مصاہرت سے سرفراز فرمایا، ہجرت کی شب میں آنحضرت ﷺ کے بستر مبارک پر سوئے، مدینہ پہنچ کر جب مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات کرائی گئی تو آپ ﷺ نے آپؓ کو اپنا بھائی قرار دیتے ہوئے خود اپنے ہی ساتھ رکھا۔

تمام غزوات میں نہایت اعلی درجہ کی دادِ شجاعت دی، بدر میں شرکت اور بیعتِ رضوان کا شرف آپؓ کو حاصل ہے، جس کی بنا پر مغفرت یقینی اور قطعی ہے، اِن سب کے علاوہ:

[۱] ایک بڑی فضیلت آپؓ کو حدیثِ کساء کے ذریعہ اِذہابِ رجس اور تطہیرِ ذنوب کے اِرادۂ خداوندی میں داخل ہونے کی سعادت کا ملنا ہے۔

[۲] جب آپ ﷺ نے شروع میں اپنے خاندان والوں کو اِسلام کی دعوت دی، تو فرمایا: تم میں سے کون دنیا سے آخرت تک مجھ سے موالات کرنے اور میرا ساتھ دینے کے لیے تیار ہے؟ کوئی آگے نہیں بڑھا، حضرت علیؓ سب سے کم عمر تھے، آپؓ نے آگے بڑھ کر عرض کیا: حضور! میں اِس کے لیے تیار ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: چلو! پھر میں بھی دنیا سے آخرت تک تمہارے ساتھ دوستی کرنے اور ساتھ نباہنے کے لیے تیار ہوں۔

(زوائدِ مسند احمد: ۳۰۶۱)

اِسی وجہ سے ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا: من كنت مولاه فعلي مولاه [ترمذی: ۳۷۱۳] (میں جس کا ولی اور دوست ہوں علی بھی اُس کے ولی اور دوست ہیں)۔

[۳] جب مسجد نبوی کی طرف کھلنے والے تمام دروازے بند کرادیئے گئے تھے، حتی کہ سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بھی آمد ورفت کا عام دروازہ بند کرا کے صرف ایک کھڑکی (خوخہ) کھلی رکھنے کی اجازت دی گئی تھی، اُس وقت بھی سیدنا حضرت علیؓ کے گھر کا دروازہ مسجد ہی کی طرف کھلا رکھا گیا اور آپؓ کو کسی بھی وقت دربارِ رسالت میں حاضری کی مکمل اِجازت تھی۔

[۴] غزوۂ خیبر میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ کل آئندہ میں اِسلام کا جھنڈا ایسے شخص کے ہاتھ میں دوں گا جو اللہ ورسول سے محبت کرتا ہے اور جس سے اللہ ورسول بھی محبت

کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اُس کے ہاتھ پر فتح نصیب فرمائیں گے۔

پھر تمام صحابہ کی تمنا اور خواہش کے درمیان، عملی طور پر یہ سعادت سیدنا حضرت علیؓ ہی کے حصے میں آئی، و کفی به فخراً۔

[۵] حج ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں آپؓ: رسول اللہ ﷺ کے خصوصی پیامبر اور ترجمان تجویز ہوئے۔

[۶] غزوۂ تبوک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں آپؓ کو یہ فرماتے ہوئے اپنا جانشین مقرر فرمایا: أنت مني بمنزلة هارون من موسى۔

[بخاری: ۳۷۰۶، ومسلم: ۲۴۰۴]

(مفہوم: جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بنا کر گئے تھے، اِسی طرح آج میں تم کو اپنا نائب اور قائم مقام بنا کر جا رہا ہوں)۔

[۷] ایک موقع پر آپ ﷺ نے آپؓ کے بارے میں فرمایا: وأقضاهم علي بن أبي طالب [ابن ماجہ: ۱۵۴] (اور میرے صحابہ میں قوتِ فیصلہ کے حامل اور قضا کے سب سے زیادہ ماہر علی بن ابی طالب ہیں)۔

[۸] آپؓ کا علمی رسوخ اور تفقہ صحابہ وتابعین کے درمیان مسلم تھا؛ چنانچہ مشہور تابعی اور سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے معتمد شاگرد حضرت مسروق بن الاجدعؒ فرماتے ہیں: میں أصحابِ محمد ﷺ کی ایک بڑی جماعت کی خدمتوں میں حاضر ہوا، میں نے محسوس کیا کہ اُن سب کے علوم سمٹ کر چھ شخصیات میں جمع ہو گئے ہیں: عمرؓ، علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، معاذؓ، ابو الدرداءؓ اور زید بن ثابتؓ۔ پھر میں نے اِن چھ میں غور کیا تو پایا کہ اِن کے بھی علوم سمٹ سمٹا کر حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ میں جمع ہو گئے ہیں۔

(الاستیعاب: ۲۹۴۰، ترجمۃ ابی الدرداءؓ)

○❖○

خاتمہ:

سب سے افضل خاتون کون؟

گذشتہ صفحات میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل ومناقب کے ضمن میں یہ بات پیش کی گئی تھی کہ ''مرض الوفات میں آپ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کے غم اور بے چینی کو محسوس فرماتے ہوئے، بطورِ تسلی اور بشارت کے یہ کلمات اِرشاد فرمائے تھے: أما ترضين أن تكوني سيدة نساء أهل الجنة، أو -قال: -نساء المؤمنين [بخاری: ۳۶۲۴، ومسلم: ۲۴۵۰] (کیا تم اِس پر راضی نہیں ہو کہ تم جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہو؟ یا یہ فرمایا: اہلِ اِیمان کی تمام عورتوں کی سردار ہو)''۔

اِس کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ فاطمہؓ تمام عورتوں سے افضل ہیں، اِس کے برعکس قرآن کریم میں حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں آیا ہے: ﴿وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ﴾ [آل عمران: ۴۲] (اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمھیں برگزیدہ بنایا ہے اور- ناپسندیدہ افعال واَخلاق سے- تمھیں پاک وصاف فرمادیا ہے اور تمھیں تمام جہانوں کی عورتوں پر برگزیدگی بخشی ہے)۔

اِسی طرح ترمذی (۳۸۷۳) میں اُم المومنین اُم سلمہؓ کے واسطے سے سیدہ فاطمہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مرض الوفات میں مجھ سے فرمایا تھا: کہ تم اہلِ جنت کی

عورتوں کی سردار ہوگی سوائے مریم بنت عمران کے (أخبرني أني سيدة نساء أهل الجنة إلا مريم بنت عمران)۔

مسلم شریف (۲۴۵۰) کی ایک روایت میں حضرت عائشہؓ کی حدیث میں یہ وضاحت ہے کہ راوی کو شک ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ سے مطلقاً فرمایا تھا کہ تم تمام مومنین کی عورتوں کی سردار ہو، یا یہ فرمایا تھا کہ تم خاص اِس اُمت کی عورتوں کی سردار ہو(ألا ترضين أن تكوني سيدة نساء المؤمنين، أو -قال - سيدة نساء هذه الأمة)۔

اور مسند الحارث (۹۹۰) کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ مریم اپنے زمانے کی عورتوں میں سب سے بہتر ہیں اور فاطمہ اپنے زمانہ (اُمت) کی عورتوں میں سب سے بہتر ہیں۔

اِس کے علاوہ سیدنا حضرت علیؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے:

خير نسائها مريم ابنة عمران، وخير نسائها خديجة

[بخاری: ۳٤۳۲، ومسلم: ۲٤۳۰]

دنیا کی عورتوں میں سب سے بہتر مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد ہیں۔

یہی مضمون حضرت عمار بن یاسرؓ کی حدیث میں اِس طرح وارِد ہوا ہے:

لقد فضلت خديجة على نساء أمتي كما فضلت مريم على نساء العالمين [بزار: ١٤٢٧، فتح الباري: ٣٨١٥]۔

اِس میں حضرت مریم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہما کو سب سے افضل قرار دیا جارہا ہے۔

اِسی طرح حضرت انسؓ کی ایک روایت میں ہے:

حسبكَ من نساء العالمين: مريم ابنة عمران، وخديجة بنت خويلد وفاطمة بنت محمد، وآسية امرأة فرعون [ترمذی: ۳۸۷۸]

دنیا کی عورتوں میں فضیلت کے لحاظ سے چار عورتوں کا ذکر تمہارے لیے کافی ہے: مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد اور آسیہ زوجۂ فرعون۔

اِسی حدیث میں ابن حبان (۶۹۵۱) کی روایت میں "خیر نساء العالمین" (تمام جہانوں کی عورتوں میں سب سے بہتر یہ عورتیں ہیں:......) کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

اِس حدیث میں مریم، خدیجہ اور فاطمہ کے ساتھ ساتھ آسیہ رضی اللہ عنہن کو بھی افضل خواتین میں شمار کرایا گیا ہے۔

جب کہ حضرت ابوموسی اشعریؓ کی حدیث میں ہے:

كَمَلَ من الرجال كثير، ولم يَكمُل من النساء إلا مريم بنت عمران وآسية امرأة فرعون، وفضل عائشة على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام [بخاری: ۳۷۶۹، ومسلم: ۲۴۳۱]

مردوں میں سے تو کامل بہت ہوئے، مگر عورتوں میں سے کمال کو صرف دو عورتیں پہنچیں: مریم بنت عمران اور آسیہ زوجۂ فرعون اور عائشہ کی فضیلت دیگر عورتوں پر ایسی ہے جیسی ثرید کی فضیلت دیگر کھانوں پر۔

اِس میں صرف مریم اور آسیہ رضی اللہ عنہما کو کامل قرار دیتے ہوئے، سرفہرست اہلِ فضیلت خواتین کی صف میں حضرت عائشہؓ کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔

اِن روایات اور اِن جیسی اور بعض دیگر روایات کے تناظر میں اہلِ علم کے ہاں "افضل نساء العالمین" (دنیا کی سب سے افضل خاتون) کی تعیین کا مسئلہ زیرِ بحث آتا ہے۔

اِس مسئلے کا تعلق اگرچہ عقائد سے نہیں ہے، مگر ایک علمی و تحقیقی بحث اور توفیق بین النصوص کے موضوع سے ضرور ہے؛ اِسی لیے بہت سے علماء اور اکابر نے اِس پر تفصیلی کلام فرمایا ہے اور احادیث وآثار کے اِختلاف کی بنا پر اِس بارے میں آراء بھی مختلف ہوگئی ہیں۔

(۱) علامہ رافعیؒ وغیرہ بعض علماء نے تو یہ بات فرمائی کہ "افضل النساء" کا اولین مصداق اَزواجِ مطہرات ہیں؛ اِس لیے کہ وہ آپ ﷺ کے حرم میں شامل ہیں اور دنیا ہی کی طرح آخرت میں بھی آپ ہی کے ساتھ ہوں گی، اِس لیے وہ سب سے اعلیٰ رتبہ ہوئیں۔(فتح الباری:۵/۳۷۷)

احقر عرض کرتا ہے کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم اور حضرت آسیہ رضی اللہ عنہما بھی آخرت میں آنحضرت ﷺ کی اَزواج میں شامل ہو جائیں گی[تفسیر ابن کثیر، التحریم: آیت ۵]، اِس لیے اِس قول کی بنا پر اُن کی افضلیت مذکورہ نصوص کے علاوہ اِس اصول سے بھی ثابت ہوگی، واللہ اعلم۔

البتہ چوں کہ نصوصِ حدیث میں اَزواجِ مطہرات میں سے صرف حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ ہی کی افضلیت کا تذکرہ وارِد ہوا ہے؛ اِس لیے جمہور علماء افضلیت کی اِس بحث میں دیگر اَزواج کو شامل نہیں فرماتے، علامہ قسطلانیؒ، علامہ تقی الدین سبکیؒ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

...... وأما بقية أزواجه ﷺ غير خديجة فلم يبلغن هذه المرتبة، لكنا نعلم لحفصة بنت عمر من الفضائل كثيراً، فما أشبه أن تكون هي بعد عائشة، والكلام في التفضيل صعب، ولا ينبغي التكلم إلا بما وَرد، والسكوت عما سواه، وحفظ الأدب، وقال المتولي من أصحابنا: والأولى بالعاقل أن لا يشتغل بمثل ذلك۔

(إرشاد الساري للقسطلاني ١٤٣/٦، باب فضل عائشة)

احادیثِ نبویہ کی روشنی میں جمہور علماء فرماتے ہیں کہ احادیثِ بالا میں مذکور پانچوں خواتین: (حضرت مریم، آسیہ، خدیجہ، فاطمہ اور عائشہ رضی اللہ عنہن) کا مرتبہ (اَزواج

سمیت) دیگر تمام خواتین سے بڑھا ہوا ہے اور یہ بحیثیتِ مجموعی دوسری تمام عورتوں سے افضل ہیں۔

البتہ اِن پانچوں میں افضلیت کی ترتیب میں علماء کے اُقوال مندرجہ ذیل ہیں:

(۲) شیخ ابوالحسن اشعریؒ، علامہ ابن حزم ظاہریؒ وغیرہ بعض علماء کے نزدیک حضرت مریم اور حضرت آسیہ علیہا السلام نبی ہیں؛ اِس وجہ سے وہ دونوں افضل النساء ہیں۔

حضرت مریم کی نبوت کے قائل قرطبیؒ بھی ہیں۔

(فتح الباری: باب وإذ قالت الملائكة يا مريم إن الله اصطفاك ٦/ ٤٧٠)

حافظ ابن حجرؒ نے شرح بخاری میں اِس مسئلے سے تعرض تو کئی جگہ فرمایا ہے؛ مگر کسی جگہ کوئی واضح فیصلہ کن بات نہیں ملتی، البتہ اُن کی متفرق عبارتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بھی حضرت مریم اور حضرت آسیہ رضی اللہ عنہما کی افضلیت کے قائل ہیں اور اُن کے ہاں ترتیب یہ ہے: حضرت مریم، آسیہ، خدیجہ، فاطمہ، عائشہ رضی اللہ عنہن، اِس سلسلے میں اُن کی مختلف عبارات کے چند اقتباسات مندرجہ ذیل ہیں:

وقد تقدم في آخر قصة موسى عليه السلام حديث أبي موسىؓ في ذكر مريم وآسية، وهو يقتضي فضلهما على غيرهما من النساء، ودل هذا الحديث على أن مريم أفضل من آسية، وأن خديجة أفضل نساء هذه الأمة ...... إلخ۔

(فتح الباری: ٣٤٣٢، باب قول الله تعالىٰ: وإذ قالت الملائكة يا مريم)

قال: وقد أخرج النسائي بإسناد صحيح، وأخرجه الحاكم من حديث ابن عباس مرفوعاً: أفضل نساء أهل الجنة: خديجة وفاطمة ومريم وآسية. وهذا نص صريح لا يحتمل التأويل۔

(فتح الباري:٣٨١٥ باب تزويج النبي صلى الله عليه وسلم خديجة وفضلها)

حضرت خدیجہؓ کی حضرت عائشہؓ پر افضلیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

......وقد استنبط بعضهم بهذا الحديث فضل خديجة على عائشة

...... (فتح: ۳۷٦۸، باب فضل عائشةؓ)

حضرت فاطمہؓ کی حضرت عائشہؓ پر افضلیت بیان کرتے ہوئے حدیث:

(فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على الطعام) کے تحت فرماتے ہیں: قوله "فضل عائشة ......": لا يستلزم ثبوتَ الأفضلية المطلقة، وقد أشار ابن حبان إلى أن أفضليتها التي يدل عليها هذا الحديث وغيره مقيدة بنساء النبي ﷺ حتى لا يدخل فيها مثل فاطمة رضى الله عنها ـ

(فتح: ۳۷٦۹، باب فضل عائشةؓ)

وقال: وأقوى ما يستدل به على تقديم فاطمة على غيرها من نساء عصرها ومَن بعدهن ما ذُكر من قوله ﷺ: إنها سيدة نساء العالمين إلا مريم، وأنها رُزئت بالنبي ﷺ دون غيرها من بناته، فإنهن مُتن في حياته، فكُن في صحيفته، ومات هو في حياتها فكان في صحيفتها ـ

(فتح:۳۷٦۷، باب مناقب فاطمةؓ)

(۳) زجاج نحوی اور علماء کی ایک جماعت کے نزدیک حضرت مریمؑ سب سے افضل خاتون ہیں۔ (فتح الباری:۳۴۳۲)

علامہ ابن الملقنؒ نے اِمام بخاریؒ کے طرزِ عمل سے اخذ فرمایا ہے کہ یہی سیدنا حضرت ابو ہریرہؓ اور اِمام بخاریؒ کا بھی رجحان ہے۔ (عمدۃ القاری ۱۶/۲٦)

اِسی کو علامہ قرطبیؒ نے اِختیار کرتے ہوئے افضلیت کی ترتیب یہ بیان فرمائی ہے:

مریم، پھر فاطمہ، پھر خدیجہ، پھر آسیہ، پھر عائشہ رضی اللہ عنہن۔

(المفہم للقرطبی:۶/ ۳۱۵، رقم: ۲۳۴۰، و۲۳۵۵)

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ حدیث (فاطمة سيدة نساء أهل الجنة إلا ما كان من مريم بنت عمران) سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ چاروں خواتین میں افضلیت فاطمہ اور مریم علیہا السلام کو حاصل ہے۔

پھر "إلا ما كان من مريم" کے اِستثناء کا ایک مطلب تو یہ ہوسکتا ہے کہ مریمؓ: فاطمہؓ سے افضل ہیں اور دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں کا رتبہ ایک ہی ہو؛ البتہ ابن عباسؓ کے طریق سے ایک روایت ایسی ملتی ہے جو اگر صحیح ہو تو پہلا مطلب متعین ہوجائے گا، وہ حدیث یہ ہے: ابن عبّاس قال: قال رسول الله ﷺ: سيّدة نساء أهل الجنّة مريم بنت عمران، ثمّ فاطمة، ثمّ خديجة، ثمّ آسية امرأة فرعون، رواه ابن عساكر.

پس اگر "ثـــم" کے لفظ سے وارد یہ حدیث محفوظ ہو تو چاروں افضل خواتین کی آپسی ترتیب اِس سے متعین ہوجاتی ہے، مگر ابن ابی حاتم نے اِس حدیث کو "واوِ عطف" ہی سے روایت کیا ہے اور دونوں کی سند میں بھی اِختلاف ہے؛ اِس لیے ابن عساکر کی روایت میں سنداً و متناً دونوں طرح سے مخالفت پائی جاتی ہے۔

(ملخصاً اَز: البدایہ والنہایہ لابن کثیر۲/ ۴۲۹، و"عمدۃ القاری" للعینی ۱۵/ ۳۰۹)

(۴) قاضی حسین الشافعیؒ، متولی الشافعیؒ اور قاضی ابوبکر ابن العربی مالکیؒ کے نزدیک حضرت خدیجہؓ سب سے افضل خاتون ہیں، علامہ عینیؒ اِن کے اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہی اصح ہے۔ (عمدۃ القاری ۱/ ۳۸)

اِمام ابوحنیفہؒ سے بھی نقل کیا گیا ہے:

إن عائشة بعد خديجة أفضل نساء العالمين [مرقاة المفاتيح: ٥٧٢٤]

بے شک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا تمام دنیا کی عورتوں سے افضل ہیں۔

معلوم ہوا کہ اِمام صاحبؒ کے نزدیک بھی حضرت خدیجہؓ ہی سب سے افضل ہیں۔

ممکن ہے کہ اِن حضرات نے صرف اِس اُمت کی عورتوں سے متعلق یہ بات فرمائی ہو اور حضرت مریمؑ و آسیہؓ سے تعرض ہی نہ کیا ہو، لہٰذا اُن کی افضلیت کا قول اپنی جگہ محفوظ ہوگا، واللہ اعلم۔

(۵) اِمام مالکؒ سے سیدہ فاطمہؓ کی علی الاطلاق افضلیت کا قول نقل کیا گیا ہے، اِسی کو علامہ تقی الدین سبکیؒ، بلقینیؒ اور ابن العمادؒ وغیرہ نے بھی اِختیار فرمایا ہے، علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں: قلنا: الصواب القطع بتفضيل فاطمة [شرح البخاری للسفیری ۱/۱۶۳] (صواب اور قطعی بات افضلیتِ فاطمہؓ ہی کی ہے)۔

ابن داودؒ کہتے ہیں کہ فاطمہؓ آنحضرت ﷺ کا جزو بدن اور جگر گوشہ ہیں، اِس لیے اُن کے برابر تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۵۷۲۴)

حافظ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اِس سلسلے میں سیدہ فاطمہؓ کو دیگر بناتِ طیباتؓ پر ایک اِمتیاز یہ حاصل ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات حسرت آیات پر صبر اور اُس پر بے پناہ اَجر کے حصول میں سیدہ فاطمہؓ اپنی بہنوں سے منفرد اور یکتا ہیں، گویا دیگر بنات تو حضور ﷺ کے صحیفہ میں درج ہیں اور خود رسول اللہ ﷺ کا اِسم گرامی سیدہ فاطمہؓ کے صحیفہ میں ہے۔ اِس طرح سے حضرت فاطمہؓ کا صحیفہ سب سے مبارک اور افضل ہو جاتا ہے۔ (فتح الباری: باب مناقب فاطمہ)

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

وذهب بعضهم إلى أن عائشة أفضل، لأنها يوم القيامة في الجنة مع النبي ﷺ في درجته التي هي أعلى الدرجات؛ بخلاف فاطمة۔ قال السبكي: وهذا القول ساقط مردود ضعيف، لا سند له من نظر ولا نقل۔ [شرح البخاری للسفیری ۱/۱۶۳]

بعض حضرات اِس طرف گئے ہیں کہ حضرت عائشہؓ، سیدہ فاطمہؓ سے افضل ہیں، اِس لیے کہ آخرت میں وہ آپ ﷺ کے ساتھ جنت کے اُسی درجہ میں ہوں گی جس میں آپ خود ہوں گے، بخلاف فاطمہؓ کے- کہ وہ حضرت علی کے ساتھ ہوں گی۔ مگر علامہ سبکیؒ اِس قول کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ قول ساقط، مردود اور ضعیف ہے، عقل ونقل سے اِس کی کوئی دلیل نہیں۔

احقر عرض کرتا ہے کہ بندہ کو اِس سخت انداز کی تردید میں تردد ہے، اِس لیے کہ نص قرآنی ﴿هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْأَرَائِكِ مُتَّكِئُوْنَ﴾ [یٰسٓ:۵۵] اور ﴿وَأَزْوَاجُهٗ أُمَّهٰتُهُمْ﴾ [الأحزاب:٦] اور خاص حضرت عائشہؓ کے بارے میں اِرشادِ نبوی: "هذه زوجتُك في الدنيا والآخرة" کے ہوتے ہوئے عقل ونقل کی کسی بھی دلیل کے نہ ہونے کا دعوی محلِ نظر ہے۔

بہرحال سبکی وسیوطی ہی کی طرح علامہ آلوسیؒ نے بھی اَفضلیتِ فاطمہؓ ہی کو اِختیار کرتے ہوئے یہ ترتیب بیان فرمائی ہے: حضرت فاطمہؓ، پھر حضرت خدیجہؓ، پھر حضرت عائشہؓ۔ اور اِسی قول کو سبکیؒ، بلقینیؒ اور ابن العمادؒ سے بھی نقل فرمایا ہے۔

پھر علامہ آلوسیؒ نے حضرت مریمؑ اور حضرت فاطمہؓ کے درمیان تفضیل کے بارے میں

فی الجملہ توقف اِختیار کرتے ہوئے، اپنا رجحان اور میلان سیدہ فاطمہؓ ہی کی افضلیت کی طرف ظاہر کیا ہے (روح المعانی: ۲: ۱۵۰)۔

جب کہ علامہ سیوطیؒ نے ایک موقع پر تو دونوں کے درمیان ترجیح و تفضیل کے بغیر دونوں کو "افضل نساء العالم" قرار دیا ہے، پھر اَزواجِ مطہرات میں سے حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ کو سب سے افضل مانا ہے اور اِن دونوں کے درمیان تفاضل کے سلسلے میں تین قول نقل کیے ہیں: افضلیتِ خدیجہؓ، افضلیتِ عائشہؓ اور توقف۔ مگر آخر میں حافظ ابن کثیرؒ وغیرہ سے افضلیتِ خدیجہؓ کا قول نقل کر کے اپنا رجحان اُسی طرف ظاہر کر دیا ہے۔

(النقایۃ مع شرحہا للسیوطی، نقلاً عن "مرقاۃ المفاتیح": ۲۴: ۵۷)

مگر سیوطیؒ سے اُن کے شاگرد سفیریؒ نے حضرت فاطمہؓ اور حضرت مریمؑ کے درمیان تفاضل کی بحث کے آخر میں یہ جملہ نقل فرمایا ہے: والذي نختاره بمقتضى الأدلة تفضيل فاطمة عليها [شرح البخاری للسفیری ۱/۱۶۳] (دلائل کے مقتضی کے لحاظ سے ہمارے نزدیک قولِ مختار افضلیتِ فاطمہؓ کا ہے)۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیوطیؒ بھی قطعی طور پر سیدہ فاطمہؓ ہی کی افضلیت کے قائل ہیں۔

یہاں بعض حضرات نے حضرت فاطمہؓ کی افضلیت پر اِجماع کا بھی دعوی کر دیا ہے، حافظ صاحبؒ فرماتے ہیں: قيل: انعقد الإجماع على أفضلية فاطمة، وبقي الخلاف بين عائشة وخديجة (فتح الباري، ۷: ۱۰۹ باب فضل عائشۃ)۔ مگر ظاہر ہے کہ مسئلے میں جتنے اقوال اور آراء ہیں اُن کے ہوتے ہوئے اِجماع کا یہ دعوی کسی طرح بھی درست نہیں۔

(۶) چنانچہ سیدہ حضرت فاطمہؓ کے بالمقابل حضرت مریمؑ اور حضرت خدیجہؓ کی

افضلیت کے اقوال تو گذر ہی چکے، ایک قول حضرت عائشہؓ کی افضلیت کا بھی ہے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

وكذلك الخلاف موجود هل هي أفضل أم فاطمة، والأصح أنها أفضل من فاطمة، وسمعت بعض أساتذتي الكبار أن فاطمة أفضل في الدنيا، وعائشة أفضل في الآخرة، والله أعلم۔ [عمدة القارى ۱/۳۸، ترجمة عائشة]

اِسی طرح اِس میں بھی اِختلاف ہے کہ عائشہؓ افضل ہیں یا فاطمہؓ، اصح یہی ہے کہ حضرت عائشہؓ حضرت فاطمہؓ سے افضل ہیں اور میں نے اپنے بعض بڑے اساتذہ سے سنا کہ دنیا کے اِعتبار سے تو فاطمہؓ افضل ہیں اور آخرت کے اعتبار سے عائشہؓ افضل ہیں، واللہ اعلم۔

ملا علی قاریؒ حدیث:

حسبك من نساء العالمين: مريم بنت عمران، وخديجة بنت خويلد، وفاطمة بنت محمد، وآسية امرأة فرعون) کی شرح میں فرماتے ہیں:

والظاهر أن مراتبهن على وفق ذكرهن، ولعل هذا الحديث قبل حصول كمال عائشة، ووصولها إلى وصال الحضرة ـ [مرقاة المفاتيح: ۶۱۹۰]

ظاہر یہی ہے کہ اِن مذکورہ چاروں برگزیدہ خواتین کے مراتب اِن کے ذکر کی ترتیب ہی کے اعتبار سے ہوں گے اور شاید یہ حدیث حضرت عائشہؓ کے حصولِ کمال اور وصولِ مقامِ حضوری سے پہلے کی ہے۔

(۷) علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ جہتِ فضیلت متعین کیے بغیر افضلیت کی بحث کرنا بے محل اور بے سود ہے۔

ابریں اگر فضیلت سے کثرتِ ثواب مراد ہے تو اس کو تو صرف اللہ ہی جانتا ہے،

کیوں کہ اُس کا مدار قلب کی کیفیت اور حالت پر ہے، نہ کہ ظاہری اَعمال کی قلت اور کثرت پر، اور اگر کثرتِ علم کا اعتبار کیا جائے تو اِس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عائشہؓ حضرت فاطمہؓ سے بڑی عالمہ اور فاضلہ ہیں، اُن کے علوم ومعارف سے ایک دنیا فیضیاب ہورہی ہے، اور اگر شرافتِ نسب کو دیکھیں تو بلاشبہ حضرت فاطمہؓ کا مرتبہ بڑھا ہوا ہے اور اِس فضیلت میں اُن کی اَخوات کے علاوہ اُن کا کوئی ہمسر وہم رتبہ نہیں۔ اور اگر جنت کی سرداری کی بشارت پر نظر کریں تو اِس میں سیدہ فاطمہؓ سب سے ممتاز ومنفرد ہیں، اِس میں اُن کا کوئی شریک وسہیم نہیں۔

خلاصہ یہ کہ جہاتِ افضلیت مختلف ہیں، جن کی تعیین کے بعد ہی معتدل بات کہی جاسکتی ہے (بدائع الفوائد ۳/۱۶۱)۔

اِمام ربانی حضرت گنگوہیؒ کا رجحان بھی کچھ اِسی طرف ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

واختلفوا في عائشة وفاطمة أيتهما أفضل، ولعل الحق أن لكل منهما فضلاً بجهةٍ ليست في الثانية، فعائشة لفقهها، وفاطمة لبنوتها وجزئيتها۔ [الكوكب الدرى ۲:۸]

(۸) بہت سے علماء نے تفضیل اور تعیینِ افضلیت کے اِس مسئلے میں کسی حتمی رائے کا اِظہار نہ فرما کر، اِمساک (گریز) یا توقف (سکوت) سے کام لیا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت خدیجہؓ کے درمیان فضیلت کی جہتیں قریب قریب ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ اِس کو نقل کرکے فرماتے ہیں: گویا اُن کی رائے توقف کی ہے۔ (فتح الباری: ۵:۳۷۷، باب فضل عائشۃ)

ایک موقع پر ملا علی قاریؒ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ:

أقول: التوقف في حق الكل أولى، إذ ليس في المسألة دليل قطعي، والظنيات متعارضة غير مفيدة للعقائد المبنية على اليقينيات

[مرقاة المفاتيح: ٦١٩٠]

میں کہتا ہوں کہ سب کے بارے میں توقف اولیٰ ہے، کیوں کہ اِس مسئلے میں کوئی دلیل قطعی ہے نہیں اور ظنی دلائل متعارض ہیں، جن سے اُن عقائد کا ثبوت نہیں ہوسکتا کہ جن کی بنا یقین پر رکھی جاتی ہے۔

اور بہ ظاہر یہی رائے شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد إدریس کاندھلویؒ [التعلیق الصبیح ۷/۳۶۹] اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ [التعلیق علی الکوکب الدری ۸/۲۱۴، ت: الندوی] کی بھی ہے، اِس لیے کہ دونوں ہی حضرات نے ملا علی قاریؒ کا مذکورہ بالا کلام نقل کر کے اُس پر سکوت فرمایا ہے۔

پس چوں کہ یہ مسئلہ عمل سے متعلق نہیں ہے، نہ ہی اس کے بارے میں کوئی خاص عقیدہ مطلوب ہے، اِس لیے بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے میں توقف کیا جائے اور کسی ایک جہت کو حتمی طور پر متعین نہ کیا جائے، والله تعالى أعلم، وعلمه أتم وأحكم۔

وهـذا آخر ما أردت إيراده هنا مما يتعلق بمبحث "أهل بيت النبي ﷺ: مصداقهم وفضائلهم"، ومما يتعلق بمبحث "أفضل نساء العالَم"، ولله الحمد أولاً وآخراً، دائماً وسرمداً.

وأخيراً أدعو ربنا أن يتقبل منا جُهدنا المتواضع، ويجعله سعياً مشكوراً، وعملاً متقبلاً مبروراً، ويتجاوز عنا ما وقع فيه من الخطإ والنسيان، وما بقي فيه من الخلل والنقصان، واجْزِ عني خير الجزاء

كـل مَن شاركني فيه بالمشورة أو الإعانة، أو قام معي بالمراجعة أو المقابلة۔

وصـلِّ وسـلِّـم وبـارِك عـلـى نبينـا مـحـمـد، وآله وأزواجه وذرياته وأصحابه أجمعين، وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

وکتبہ

خاک پائے درویشاں

زین الاسلام قاسمی الہ آبادی

مفتی دارالعلوم دیوبند

۲۷/ذی قعدہ ۱۴۴۲ھ، موافق ۹/جولائی ۲۰۲۱ء یوم الجمعہ

○❖○

مراجع ومصادر

نام کتاب	اسماء المصنفین	مطبع
القرآن الکریم		
التفسیر	حافظ ابن کثیر دمشقی، م: ۷۷۴ھ	دار التراث العربی
التفسیر	امام ابوعبداللہ قرطبی، م: ۶۷۱ھ	زکریا بکڈپو دیوبند
تفسیر روح المعانی	علامہ محمود آلوسی، م: ۱۲۷۰ھ	دار الکتب العلمیۃ
التفسیر الکبیر	امام فخر الدین رازی، م: ۶۰۴ھ	دار احیاء التراث العربی
التفسیر المظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی، م: ۱۲۲۵ھ	زکریا بکڈپو دیوبند
تفسیر بیان القرآن	حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، م: ۱۳۶۲ھ	
تفسیر معارف القرآن	مفتی محمد شفیع دیوبندی، م: ۱۳۹۵ھ	ربانی بکڈپو دہلی
تفسیر معارف القرآن	مولانا محمد ادریس کاندھلوی، م: ۱۳۹۴ھ	فرید بکڈپو دہلی
احکام القرآن (تھانوی)	مفتی محمد شفیع دیوبندی، م: ۱۳۹۵ھ	مکتبہ اشرفیہ دیوبند
صحیح البخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، م: ۲۵۶ھ	
صحیح مسلم	امام مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری، م: ۲۶۱ھ	
سنن الترمذی	امام ابوعیسی محمد بن عیسی ابن سورۃ ترمذی، م: ۲۷۹ھ	
سنن ابی داؤد	امام ابوداود سلیمان بن اشعث سجستانی، م: ۲۷۵ھ	

سنن النسائی	امام احمد بن شعیب نسائی، م:۳۰۳ھ	
سنن ابن ماجہ	امام ابن ماجہ محمد بن یزید قزوینی، م:۲۷۳ھ	
الآحاد والمثانی	شیخ ابوبکر ابن ابی عاصم شیبانی، م:۲۸۷ھ	دار الرایہ ریاض
مستدرک حاکم	امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری، م:۴۰۵ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
مسند احمد	امام احمد بن حنبل شیبانی، م:۲۴۱ھ	مؤسسۃ الرسالہ
شرح مشکل الآثار	امام احمد بن محمد طحاوی، م:۳۲۱ھ	مؤسسۃ الرسالہ
صحیح ابن حبان	شیخ ابوحاتم محمد بن حبان بُستی، م:۳۵۴ھ	مؤسسۃ الرسالہ
مسند الحارث	شیخ حارث بن اُبی اسامہ بغدادی، م:۲۸۲ھ	مرکز خدمۃ السنہ
مسند البزار	امام ابوبکر المعروف بالبزار، م:۲۹۲ھ	مکتبہ العلوم والحکم مدینہ منورہ
المعجم الکبیر	امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی، م:۳۶۰ھ	مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ
مجمع الزوائد	امام ابوبکر نورالدین ہیثمی، م:۸۰۷ھ	مکتبہ القدسی قاہرہ
فتح الباری	حافظ ابن حجر عسقلانی م:۸۵۲ھ	دار المعرفۃ، بیروت
ارشاد الساری	علامہ شہاب الدین قسطلانی، م:۹۲۳ھ	مطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق مصر
المفہم شرح مسلم	شیخ ابوالعباس احمد بن عمر قرطبی، م:۶۵۶ھ	دار ابن کثیر دمشق
عمدۃ القاری	امام بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی، م:۸۵۵ھ	دار احیاء التراث العربی
شرح البخاری	شیخ محمد بن عمر سفیری شافعی، م:۹۵۶ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
مرقاۃ المفاتیح	ملا علی بن محمد القاری ہروی، م:۱۰۱۴ھ	دار الفکر، بیروت

الکوکب الدری علی جامع الترمذی	امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی، م: ۱۳۲۳ھ	مکتبہ اشرفیہ دیوبند
التعلیق علی الکوکب الدری	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی، م: ۱۴۰۲ھ	مطبعۃ ندوۃ العلماء لکھنؤ
التعلیق الصبیح علی مشکاۃ المصابیح	مولانا محمد ادریس کاندھلوی، م: ۱۳۹۴ھ	دار البشائر الاسلامیۃ
بدائع الفوائد	علامہ ابن قیم جوزیۃ، م: ۷۵۱ھ	دار الکتاب العربی بیروت
سیر أعلام النبلاء	علامہ شمس الدین ذہبی، م: ۷۴۸ھ	مؤسسۃ الرسالہ بیروت
عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر	شیخ ابو الفتح ابن سید الناس یعمری، م: ۷۳۴ھ	دار القلم بیروت
الاستیعاب علی حاشیۃ الاصابۃ	حافظ ابو عمر ابن عبد البر مالکی، م: ۴۶۳ھ	
الطبقات الکبری	شیخ محمد بن سعد ہاشمی بصری، م: ۲۳۰ھ	دار الکتب العلمیہ
أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ	علامہ عز الدین ابن الاثیر جزری، م: ۶۳۰ھ	دار الکتب العلمیہ
البدایۃ والنہایۃ	حافظ اسماعیل ابن کثیر دمشقی، م: ۷۷۴ھ	دار ہجر للطباعۃ والنشر
الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ	حافظ ابن حجر عسقلانی، م: ۸۵۲ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
تاریخ الفسوی = المعرفۃ والتاریخ	شیخ یعقوب بن سفیان فسوی، م: ۲۴۷ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ	علامہ شہاب الدین قسطلانی، م: ۹۲۳ھ	مکتبہ التوفیقیۃ، قاہرہ
شرح المواہب اللدنیۃ	شیخ ابو عبد اللہ محمد زرقانی مالکی، م: ۱۱۲۲ھ	دار الکتب العلمیہ
سبل الہدی والرشاد	شیخ محمد بن یوسف صالحی، م: ۹۴۲ھ	دار الکتب العلمیہ

سیرۃ المصطفی	مولانا محمد ادریس کاندھلوی،م:۱۳۹۴ھ	مکتبہ علمیہ سہارنپور
منہاج السنۃ النبویۃ	علامہ تقی الدین ابن تیمیہ حرانی،م:۷۲۸ھ	
تفسیر آیات خلافت وامامت	امام اہل السنت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی،م:۱۳۸۱ھ	
ایرانی انقلاب: اِمام خمینی اور شیعیت	مولانا محمد منظور نعمانی،م:۱۴۱۷ھ	الفرقان بکڈپو لکھنؤ
شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم	مولانا محمد یوسف لدھیانوی،م:۱۴۲۱ھ	مکتبہ دارالعلوم دیوبند
المغرب فی ترتیب المعرب	شیخ ابوالفتح برہان الدین خوارزمی مطرزی،م:۶۱۰ھ	دارالکتاب العربی بیروت
القاموس المحیط	علامہ مجدالدین فیروزآبادی،م:۸۱۷ھ	
تاج العروس شرح القاموس	علامہ مرتضی حسین زَبیدی،م:۱۲۰۵ھ	دارالھدایہ
جامع العلوم فی اصطلاحات الفنون	قاضی عبدالنبی احمدنگری	
کلام اللہ: مترجم قرآن	سید فرمان علی شیعی،م:۱۳۴۴ھ	نظامی پریس لکھنؤ

○❖○

ایک اہم اقتباس

از:۔ فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آیتِ تطہیر کے سیاق وسباق سے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ہی مراد ہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ نے چاہا کہ اہل بیت کی اس فضیلت وتطہیر کے اطلاق میں ذوات اربعہ رضی اللہ عنہم کو بھی شامل فرمادیں، پس ان کے لیے آپ ﷺ نے دعا فرمائی، یہی وجہ ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جب اپنے لیے درخواست کی تو ان سے فرمایا کہ تم اپنی جگہ ہو، یعنی اُسی مرتبہ پر جو تمہیں بغیر سوال کیے ملا ہوا ہے؛ کیونکہ تم تو آیت کی مراد اور مصداق پہلے ہی سے ہو۔

اس سے یہ مطلب سمجھنا کہ یہی ذوات اربعہ رضی اللہ عنہم آیت کی مراد ہیں، ازواج مطہرات مراد نہیں ہیں، تو یہ سراسر عقل اور لغت دونوں کے خلاف ہے۔ لغت کے خلاف تو اس طرح کہ ''اہل بیت'' اسی کو کہا جاتا ہے جو گھر میں ہو، عقل کے خلاف اس طرح کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ کام اس لیے کیا تا کہ اللہ تعالی کو بتلائیں کہ آیت میں جو لفظ ''اہل بیت'' آیا ہے اس کے معنی یہ ہیں۔ (الکوکب الدری، ج:۲، ص:۲۵۵)